رجسٹرڈ انگلشیہ نمبر ( )

فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن

رجسٹرڈ آصفیہ نمبر (۱۸۰)

شرح چندہ
سالانہ [illegible]
ششماہی [illegible]
سہ ماہی [illegible]

ہفتہ وار
مملکت

ایڈیٹر
میر حسن الدین بی اے ال ال بی (عثمانیہ)

شرح چندہ
سالانہ [illegible]
ششماہی [illegible]
سہ ماہی [illegible]

قیمت پرانا پرچہ (۴ر)

قیمت فی پرچہ (۲ر)

نمبر (۵۱) | ۳ر اپریل ۱۹۴۳ء روز شنبہ | ۲۷ر ربیع الاول ۱۳۶۲ھ | ۲۹ر اردی بہشت ۱۳۵۲ف | جلد (۲)

آصفجاہی درباروں کے آداب و مراسم

برطانوی سفیروں کو خلعتیں اور خطابات

ذیل میں مولوی عبدالمجید صاحب صدیقی پروفیسر جامعہ عثمانیہ کی اس تقریر کے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جو صاحب موصوف نے نشرگاہ حیدرآباد سے نشر کی تھی۔ آصفجاہی درباروں کے آداب، درباریوں کے لباس اور ان کی نشستیں، رزیڈنٹ صاحبان وقت کا خطابات اور خلعتوں سے سرفراز کیا جانا اور دیگر متعلقہ امور پر اس تقریر میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

"مملکت"

حضرت غفران مآب نظام الملک نے دکن کی حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو آپ کی حیثیت خود مختار تھی لیکن اس مقتدرانہ حیثیت کے باوجود آپ نے اپنے خاندانی روایات کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ مغل سلطنت کے ساتھ ہمیں وفاداری کی کیونکہ یا وہ ان کے تمام بزرگ مغل سلطنت کے ملازم اور نمک خوار تھے۔ اگرچہ ہندوستان کے تاریک حالات میں حضرت غفران مآب کو مجبوراً دکن میں خود مختار ہونا پڑا جب تک مغل سلطنت تھی اپنے آپ کو اس سے الگ نہیں سمجھا بلکہ ہر آڑے وقت پر اس کی مدد کی۔ دوسری دلچسپ چیز یہ ہے کہ حضرت غفران مآب نے مغل سلطنت کے مقابلے میں کبھی شاہی لقب اختیار نہیں کیا۔ دربار میں تخت، بادشاہ، چتر استعمال نہیں کئے اور سکہ پر شہنشاہ اورنگ زیب کا نام رکھا حالانکہ وہ دکن میں بالکل خود مختار ہو گئے تھے۔ حضرت غفران مآب کو دربار جس میں سادگی ہوتی تھی ان کی وفا شعاری کو دربار کا آئینہ دار ہوتا تھا۔ دربار میں کھلنے

تخت کے صرف مسند بچھی تھی اور اس کے نیچے سفید فرش ہوتا تھا اور کہیں قالین بچھائے جاتے تھے۔ مسند زردوز ہوتی تھی۔ غفران مآب اسی مسند پر بیٹھتے تھے۔ انہوں نے کبھی تخت شاہی بنانے کا کوئی خیال نہیں کیا۔ غفران مآب کی مسند جو نظام الملک کی گدی کہلاتی ہے اب تک اورنگ آباد میں موجود ہے کیونکہ اورنگ آباد ہی سلطنت آصفیہ کا پہلا پائے تخت تھا۔ عیدین کے موقع پر اس تاریخی مسند کا اب تک مظاہرہ ہوتا ہے اور ابتدائی اٹھارہویں صدی کا تاریخی منظر آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ اکثر مسند بڑے قالین پر بچھائی جاتی تھی۔ مسند میں نیچے جو گول چار جامہ ہوتا تھا جس پر بادشاہ بیٹھتے تھے۔ پشت پر بڑا تکیہ اور دائیں بائیں دو چھوٹے تکیے ہوتے تھے اور یہ سب مخمل یا اطلس کے ہوتے تھے اور ان پر زردوزی ہوتی تھی۔ اور کبھی سر پر زرین شامیانہ بھی باندھا جاتا تھا۔

مقررہ نشستیں۔

دربار میں جب بادشاہ آتے تھے تو ان کے سامنے وزراء، امراء، و منصبدار حاضر ہوتے تھے اور کھڑے رہتے تھے اور بغیر اجازت کے کوئی شخص بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ پرانی تصویروں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مرتبہ جب بیٹھنے کی اجازت نہیں ہوتی تو سب کھڑے رہتے اور شاہی ارشادات کی سماعت کرتے تھے۔ جب ان کو بیٹھنے کی اجازت ہوتی تو بیٹھ جاتے تھے۔ امراء و وزراء کے کھڑے رہنے اور بیٹھنے کی خاص جگہ ہوتی تھی۔ جو غفران مآب کے زمانہ سے متعلق تھی۔ پیشکار بالعموم مسند کے پیچھے بیٹھتے تھے اور اس کے ہاتھ میں مور کے پروں کا مورچھل ہوتا تھا۔ معلوم نہیں کہ حضرت غفران مآب نواب نظام الملک کے عہد میں مورچھل کا استعمال ہوا یا نہیں کیونکہ ان کے مشہور پیشکار لالہ منسارام نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن حضرت مغفرت مآب نواب نظام علی خاں کے بعد سے یہ مورچھل برابر استعمال ہوتا رہا جن کا تاریخوں میں بھی ذکر ہے نیز دربار کی تصویروں سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ یہ مورچھل ایک شاہی علامت ہے۔ بڑے وزراء سامنے بیٹھتے تھے اور ضروری معروضے کرتے تھے اور اس طریقہ سے دوسرے امراء اور منصبداروں کے کھڑے رہنے یا بیٹھنے کے کٹہرے ہوتے تھے۔ دربار بالعموم محل کے پیش دالان میں منعقد ہوتا تھا اور بعض جگہ اس پیش دالان میں چاروں طرف گوشوں پر کٹہرے بنے ہوتے تھے جن سے حاضرین دربار کی رہنمائی ہوتی تھی اور جہاں یہ انتظام نہیں تھا لوگ خود بخود اپنی جگہ کھڑے ہو جاتے تھے یا بیٹھ جاتے تھے اور کبھی دربار کے افسر ان کی رہنمائی کر دیتے تھے۔

درباری لباس کی یکسانیت۔

باوجود سادگی کے حضرت غفران مآب نواب نظام الملک کو درباری لباس کا بہت خیال (باقی صفحہ ۲ پر)

مملکت
ہفتہ وار

جلد ۲ | ۲۹ امردادی بہشت ۱۳۵۲ف روز شنبہ | نمبر ۵۱

کیا مجلس اتحاد المسلمین مرکز گریز رجحان رکھتی ہے؟

نواب بہادر یار جنگ بہادر کی زبان بندی کے متعلق جو جریدۂ غیر معمولی شائع ہوا ہے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مجلس اتحاد المسلمین کی مجلس عاملہ نے جو بیان جاری کیا ہے اس کا آخری فقرہ یہ ہے :-

"مجلس عاملہ اس سلسلہ میں طے کرتی ہے کہ جب تک اس کے صدر کی خاموشی ملت اسلامیہ اور تخت و تاج آصفی کے لئے مضر ثابت نہ ہو وہ فرمان مبارک کی تعمیل کی عزت حاصل کریں"۔

ہمارے خیال میں اگر یہ فقرہ شائع نہ کیا جاتا تو اچھا ہوتا۔ مجلس اتحاد المسلمین کی مجلس عاملہ نے اس فقرہ کو اپنے بیان میں شامل کر کے دور اندیشی، سیاست دانی اور تدبر کے فقدان کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس فقرہ میں مجلس عاملہ کی رائے سے زیادہ نواب بہادر یار جنگ بہادر کی آمرانہ ذہنیت جھلک رہی ہے۔ نواب صاحب نے اس خیال کو خوب پھیلایا اور مختلف طریقوں سے اس کا پرچار کیا ہے کہ ان کی ذات اور ملت اسلامیہ کا مفاد ایک ہی چیز ہے اور بھولے بھالے عوام نے جو نفسیات قیادت سے ناواقف اور سیاسی شعور سے بے بہرہ ہیں اس خیال کو یقین کا درجہ دے دیا۔ چنانچہ جناب بہادر یار جنگ بہادر اسلام کی آڑ لے کر ہر اس طریقہ پر کاربند ہو رہے ہیں جس سے ان کے ذاتی اثرات اور شخصی وقار اور وجاہت میں اضافہ ہوتا ہے۔ مندرجہ بالا فقرہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ ہم نواب صاحب کو یقین دلاتے ہیں کہ اس طریقہ عمل میں ممکن ہے ان کا شخصی فائدہ مضمر ہو لیکن وہ اپنی روش سے مملکت آصفیہ کے حق میں کانٹے بو رہے ہیں۔ کیا نواب صاحب اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ ذات شاہانہ اہل حیدرآباد کی تمناؤں اور قوتوں کا مرکز ہے؟ اور اگر وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں تو کیا مرکز کو کمزور کر کے نواب صاحب مملکت آصفیہ کی فلاح و ترقی کا خواب دیکھ سکتے ہیں؟

دیگر اخبارات نے بھی نواب صاحب کو وہ تمرد اور آمریت زیب نہیں دیتی جو فقرہ بالا کی تہہ میں کارفرما ہے۔ ایک جاگیردار اور عہدیدار تنظیم جمعیت کی حیثیت سے نواب صاحب کو چاہیئے کہ اپنی پوزیشن کو پہچانیں۔ اگر وہ اس مسلک پر تلے ہوئے ہیں جس کا وہ وقت بے وقت نہایت دل آزار انداز میں اظہار کرتے رہتے ہیں تو نواب صاحب کو چاہیئے کہ سب سے پہلے اپنی جاگیرداری، عہدیداری سے دست بردار ہو جائیں۔ ان کا دوسرا فرض یہ ہونا چاہیئے کہ اپنی بے اعتدالیوں کے خمیازہ سے بچنے کے لئے ملت اسلامیہ کے مفاد کو آڑ نہ بنائیں۔ فرمان مبارک کا احترام ہر اس حیدرآبادی کا مقدس فرض ہے جو وفاداری کا مدعی ہو۔ عقیدت کی قرار دادیں اور فرمان مبارک پر تبصرہ کرنے کی جسارت اجتماع ضدین ہے۔

جہاں تک نفس معاملہ کا تعلق ہے ہم نے اپنے اداریہ مورخہ ۱۰ مردادی بہشت میں صاف صاف لکھ دیا تھا کہ نواب صاحب کے اس بیان سے جو اس تحفیہ کی بنا ہے ہمیں پورا پورا اتفاق ہے۔ ہم نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ وہ بیان اہل ملک کے دلی جذبات کا ترجمان اور رعایائے آصفی کی قومی خودداری کا آئینہ دار تھا۔ ہمیں آج بھی ان الفاظ کو دہرانے میں کوئی تامل نہیں لیکن جب کسی مسئلہ کی نسبت فرمان مبارک شرف صدور پائے تو سر تسلیم خم کرنا ہم اپنا اولین فرض سمجھتے ہیں اور تعبیر و تاویل کو ہم ایک ناقابل معافی جرم تصور کرتے ہیں۔ ہمیں نواب صاحب سے بھی یہی توقع تھی لیکن یہ ملک کی بڑی بدقسمتی ہے کہ ہماری یہ توقع پوری ہوتی نظر نہیں آتی اور نواب صاحب کی خودرائی اور آمرانہ ذہنیت میں آئے دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ کاش نواب صاحب اس حقیقت کو ذہن نشین رکھتے کہ اسلام کا مزاج عجز و انکساری سے بنا ہے اور مشاہیر اسلام نے مفاد اسلامی کے تحفظ اور ترقی کے لئے ہنگاموں اور کبر و نخوت سے احتراز کیا ہے۔ ہم نواب صاحب کو پند و نصیحت کرنے کے اپنے آپ کو اہل نہیں پاتے۔ ان کے مذہبی معلومات ہم سے بہتر ہی ہوں گے لیکن نواب صاحب کی تقریریں، ان کے بیانات اور ان کے عمل سے سیاسی نقصانات ہماری نظر میں روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ اس لئے ہم اس صاف گوئی پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں۔ ممکن ہے کہ نواب صاحب کے نادان دوست اور خوشامدی مصاحبین اس صاف گوئی پر برہم ہو جائیں مگر ہم اپنی مملکت آصفیہ کی فلاح و بہبود کی خاطر جس کے خادم ہونے کے نواب صاحب بھی مدعی ہیں ہم ان کے نادان دوستوں کی برہمی کو گوارا کرنے کے لئے تیار ہیں۔

کیا ہم یہ توقع رکھیں کہ نواب صاحب آئندہ لب کشائی سے قبل اپنے الفاظ کے اثرات اور مضرات کو تول لیا کریں گے؟ خدا ہر مسلمان کو نیک توفیق دے اور تھوڑی سی سمجھ بھی۔

معترضین اصلاحات کی سراسیمگی

اس وقت تک نئی اصلاحات کی کانفرنسوں کی روداد اخبارات میں شائع ہو چکی ہے جس کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ کانفرنسیں اپنے مقصد میں کامیاب ہو رہی ہیں۔ جیسا کہ اسکیم اصلاحات میں ظاہر کیا گیا ہے ان کانفرنسوں کا مقصد رعایا اور حکومت کے مابین رابطہ و اتحاد کو قوی تر اور مستحکم تر کرنا ہے۔ خدا کے فضل اور ہمارے شاہ ذی جاہ کے اقبال سے یہ مقصد پورا ہوتا نظر آ رہا ہے۔ اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ وہ افراد اور ادارے جو رعایا اور حکومت کے مابین واسطہ بنے رہنا چاہتے تھے ان کانفرنسوں کی کامیابی سے کسی قدر متردد نظر آ رہے ہیں کیونکہ انہیں یہ خوف دامنگیر ہو رہا ہے کہ وہ اب زیادہ عرصہ تک رعایا کا نام لے کر حکومت کو مرعوب نہ کر سکیں گے اور اس طریقہ سے حکومتی حلقوں میں اثرات پیدا کر کے معاشی اور سیاسی اقتدار حاصل کرنے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔ اس تردد اور سراسیمگی کے آثار مختلف حلقوں میں نمایاں ہیں جن کی تفصیل اور تشریح کا یہ موقع نہیں۔ البتہ ہم آج ان چند اعتراضات کا ذکر کریں گے جو بعض مقامی جرائد میں شائع ہوئے ہیں۔

معاصر رعیت نے یہ اعتراض کیا ہے کہ عادل آباد کانفرنس کے خطبۂ صدارت میں "جنگلات" کے معاملات کا ذکر نہیں۔ ہم اس اعتراض پر متحیر ہیں۔ اگر دیہات جات یا بستی کی بہبودی، توسیع تعلیم، سررشتہ زراعت کی مصروفیات، جنگلات کے استعمال کو ممنوع کئے گئے، سررشتہ آبکاری کے مساعی، تعمیرات کی سرگرمیاں وغیرہ رعایائے عادل آباد کے نزدیک "مسائل" نہیں ہیں تو ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ان کی روزمرہ معاشی زندگی کو متاثر کرنے والے اور کیا مسائل ہو سکتے ہیں۔ کیا معاصر رعیت کی یہ خواہش تھی کہ عادل آباد کو معاشیات کے مسائل حاضرہ پر علمی مقالے سنائے جاتے جن کے سمجھنے کی اہلیت ہم خود شہر حیدرآباد میں بھی پوری طرح

نہیں پاتے۔ جیسا کہ مختلف صوبہ دار صاحبان نے "اختصار" کے جواب میں ظاہر کیا ہے اغذیہ کی فراہمی اور ان کی قیمتوں کا مسئلہ اضلاع کی چاردیواری میں حل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تو صرف ایک ملکی ہندی بلکہ عالمی مسئلہ ہے جس کو معاصر "رعیت" بار ہا تسلیم کر چکا ہے۔ حکومت سرکار عالی اغذیہ کی فراہمی اور قیمتوں کی نسبت جو بھی پالیسی معین کرے گی اس کی تعمیل عہدہ داران اضلاع پر لازمی ہوگی۔ البتہ اگر تعمیل میں تساہل برتا جائے تو ضلع کانفرنسوں کے منعقدین کو شکایت کا موقع حاصل ہو۔ خطبات صدارت میں ایسے مسائل پر بھی ہمارے رعایا کے لئے کوئی افادیت نہیں رکھتے۔ اگر کانفرنس کی شکل روئداد میں معاصر "رعیت" کو صرف یہی ایک کمی نظر آتی ہے تو صوبہ دار صاحبان قابل مبارکباد ہیں کہ ان کی کانفرنسیں نہایت کامیاب رہیں۔

اس بات کا ثبوت کہ کانفرنسوں کی روئداد میں کوئی قابل اعتراض بات واقعی موجود نہیں ہے معاصر "مشیر دکن" کے اداریہ سے بھی ملتا ہے۔ معاصر موصوف کو صرف یہ شکایت ہے کہ خطبات صدارت مقامی زبانوں میں کیوں نہیں شائع کئے گئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس زبان میں یہ خطبات پڑھے گئے ہیں وہ نہ صرف حیدرآباد کی بلکہ ہندوستان کی بھی قومی مشترکہ زبان ہے اور حیدرآباد کی سرکاری زبان بھی۔ یہ وہ زبان ہے جس کو رعایائے آصفی کی اکثریت سمجھتی اور بولتی ہے۔ یہ وہ زبان ہے جس کے ذریعہ مختلف صوبوں کے مابین رشتہ ارتباط قائم برقرار ہے۔ بہرحال، اعتراض معاصر "مشیر دکن" کے اس تعصب کا آئینہ ہے جو اس کی امتیازی خصوصیات میں شامل ہو چکا ہے۔

ان اعتراضات کے تذکرہ سے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اعتراضات کس درجہ غیر وقیع ہیں۔ کیا یہ بات کانفرنسوں کی کامیابی پر دلالت نہیں کرتی؟ ہمیں نہ صرف توقع بلکہ یقین ہے کہ ماہ خورداد و تیر کی کانفرنسیں بھی اسی طرح کامیاب ہوں گی۔

اہل تدبیر کی واماندگیاں

حکومت نے ایک اعلان کے ذریعہ آئینی مشاورتی کمیٹی کے اراکین کی جو فہرست شائع کی ہے اس کے پڑھنے سے ہمیں سخت مایوسی ہوئی۔ اس مایوسی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ حکومت نے ارکان کی نامزدگی کا اختیار اپنے مسلک کے خلاف استعمال کیا۔ جہاں تک ہم نے حکومت کی پالیسی کو سمجھنے کی کوشش کی ہے —— گو حکومت کی پالیسی کو سمجھنا کوئی آسان کام نہیں —— ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ حکومت کا مسلک اور اس کی حکمت عملی غیر فرقہ وارانہ اور وطنی قومیت کی علمبردار ہے۔ اپنے اس بیان کی تائید میں ہم سر اکبر حیدری مرحوم، نواب صاحب چھتاری، نواب عبدالعلی یار جنگ بہادر اور آنریبل مسٹر غلام محمد وغیرہ کی تقاریر کے اقتباسات پیش کر سکتے ہیں۔ نیز حکومت کے متعدد اعلانات بھی اس کی تائید میں بطور ثبوت پیش کئے جا سکتے ہیں۔ تقاریر و بیانات سے قطع نظر مختلف شعبہ جات نظم و نسق میں حکومت کا طرز عمل صاف و صریح طور پر غیر فرقہ وارانہ رہا ہے۔ اگر ایسا مسلک رکھنے والی حکومت فرقہ وارانہ اداروں کے ارکان کو ایسی مجالس کے لئے نامزد کرے جن کا منصب ارکان حکومت کو مشورہ دینا ہے تو ہم سوچنے لگتے ہیں کہ آخر حکومت کو ہو کیا گیا ہے۔ ممکن ہے حکومت کی جانب سے یہ استدلال پیش کیا جائے کہ ہر دو فرقوں کے انتہا پسند افراد کو نامزد کر کے حکومت نے اپنی غیر جانبداری اور غیر فرقہ وارانہ مسلک کا ثبوت دیا ہے۔ لیکن اگر اس استدلال کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ حکومت نے محض نامزدگی کی خاطر نامزدگی کی ہے اور خود حکومت کو ان ارکان سے کسی اچھے مشورے یا امداد کی توقع نہیں ہے۔ ایسی توقع بجا بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ غیر سرکاری ارکان میں اکثریت اتحاد المسلمین اور پرجا پریشد کے ارکان کی ہے اور یہ دونوں ادارے ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اگر ان جماعتوں کے ارکان اپنے اپنے اداروں کے مسلک پر قائم رہیں تو مشاورتی مجالس میں باہمی رسہ کشی شروع ہو جائے گی اور مشورہ یا غور و فکر کو ان مجالس میں کوئی جگہ حاصل نہ رہے گی۔ اور اگر یہ ارکان اپنے متعلقہ اداروں کے اعلان کردہ مسلک کو پس پشت ڈال کر ہر مسئلہ کو اس کی نوعیت کے لحاظ سے جانچنے پر آمادہ ہو جائیں تو پھر وہ اپنے اداروں کے نمائندے باقی نہ رہیں گے۔ ایسی صورت میں یہ کہنا کہ اتحاد المسلمین یا پرجا پریشد کے ارکان اپنے اداروں کی نمائندگی کر رہے ہیں ایک بے معنی سی بات ہوگی۔ اس بے معنی سی بات کے لئے ملک کے دوسرے بہتر افراد کو محض اس بنا پر کہ وہ ان اداروں کے رکن نہیں ہیں آئینی مشاورتی مجالس سے دور رکھنا نہ صرف ان افراد کے ساتھ زیادتی کرنا ہے بلکہ نظم و نسق کے ساتھ بھی ناانصافی کرنے کے برابر ہے۔

جب ہم اشخاص کی اہمیت کے اعتبار سے اس اعلان پر نظر ڈالتے ہیں تو پھر بھی ہمیں مایوسی ہوتی ہے۔ فینانس کمیٹی کے سرکاری ارکان میں ہم محسوس کرتے ہیں کہ نواب رئیس جنگ بہادر سے زیادہ مفید ارکان طبقہ عہدہ داروں میں دستیاب ہو سکتے تھے۔ تعلیمی کمیٹی میں سرکاری رکن کی حیثیت سے ہمیں یقین ہے کہ خود راجہ بہادر ونکٹ راما ریڈی کو کام کرنے میں تامل ہوگا۔ امور مذہبی یا اوقاف کمیٹی میں راجہ صاحب ایک نہایت مفید رکن ثابت ہو سکتے ہیں۔ اب غیر سرکاری ارکان کی فہرست پر نظر ڈالئے۔ ہم نے سطور بالا میں اگرچہ کہا ہے کہ مجلس اتحاد المسلمین کے ارکان کو اس اعتبار سے شریک کرنا کہ وہ مجلس کے رکن ہیں ایک غیر صحیح عمل تھا لیکن اس اختلاف کے یہ معنی نہیں کہ ہم اتحاد المسلمین کے جملہ ارکان کو مشاورتی مجالس کی رکنیت کے لئے غیر موزوں سمجھتے ہیں۔ موجودہ ارکان کی فہرست میں ہم آسانی نواب بہادر یار جنگ بہادر، مولوی ابوالحسن سید علی، مولوی فضل حسین صاحب، مولوی [illegible] الدین صاحب انصاری، مولوی عبداللہ سندوی صاحب، مولوی سید محمد احسن صاحب، مولوی انیس الدین احمد صاحب کے نام گنا سکتے ہیں لیکن ان (۹) غیر سرکاری مسلم ارکان کو چھوڑ کر جو کہ اتحاد المسلمین کے رکن نہیں ہیں مشاورتی مجالس کے غیر سرکاری مسلم ارکان میں بہت سارے ایسے ہیں جن کی نشستوں کو بہتر طریقہ پر پُر کرنے کے لئے ملک میں سمجھدار و صائب الرائے مسلمان موجود ہیں۔

ہندو غیر سرکاری ارکان میں مسٹر شنکر راؤ بورگاؤنکر کی نشست کو بہتر طریقہ پر پُر کرنے کے لئے ملک میں کم از کم ایک ہزار بہتر ہندو افراد دستیاب ہو سکتے تھے۔ جو حکومت مسٹر شنکر راؤ بورگاؤنکر کے مشورے کی محتاج ہو اس کی وقعت اپنے دل میں قائم رکھنا ایک وقت طلب کام ہے۔

جب ہم ان قابل اور صائب الرائے افراد ملک کے ناموں پر نظر ڈالتے ہیں جو ملک کی بدقسمتی سے ان مجالس کے لئے نامزد نہیں کئے گئے تو ہماری مایوسی اور بڑھ جاتی ہے۔ نواب علی نواز جنگ بہادر اور مولوی سید عارف الدین صاحب کو مالیاتی یا صنعت و حرفت کی مجالس میں شریک کیا جاتا تو یہ دونوں حضرات قابل قدر مشیر ثابت ہوتے۔ اسی طرح نواب اکبر یار جنگ بہادر امور مذہبی یا اوقاف کی کمیٹی اور مولوی عبدالرحمن خاں صاحب تعلیمات کی کمیٹی میں مفید ثابت ہوتے۔ راجہ شامراج بہادر جو نظم و نسق کا کافی تجربہ رکھتے ہیں ایک سے زائد مجالس میں مفید ہو سکتے تھے کیونکہ راجہ صاحب کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنی رائے قائم کرنے میں شخصیتوں سے متاثر نہیں ہوتے۔ اسی طرح سکندرآباد کے وٹھل راؤ، مولوی عبداللہ پاشا صاحب، مولوی غلام محمد صاحب رکن جدید، سیٹھ رگھوناتھ مل صاحب، مولوی محمد علی صاحب سنی، ڈاکٹر لطیف سعید صاحب، رائے جگناتھ صاحب، نواب میر احمد علی خاں صاحب، مسٹر و شیر سہراب چینائی، نواب کیقباد جنگ بہادر اور ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب وغیرہ کے نام نظر انداز کرنے کے قابل نہ تھے۔ یہ چند نام ہم نے اس لئے گنائے ہیں تاکہ یہ ظاہر ہو سکے کہ حکومت نے نامزدگی کے وقت کتنی کارآمد ہستیوں کو بھی نظر انداز کر دیا ہے۔

بہرحال مشاورتی مجالس قائم ہو چکی ہیں جو نفاذ اصلاحات کی دوسری قسط ہونے کی وجہ سے ایک مستحسن اقدام ہے۔ ان مجالس کی تشکیل میں جو ذہنیت کارفرما رہی ہے اور ارکان کے انتخاب میں جو غلطیاں ہوئی ہیں اگرچہ وہ قابل اعتراض ہیں تاہم ہماری یہ دلی تمنا ہے کہ یہ مجالس کامیاب رہیں کیونکہ ان کا بنیادی اصول صحیح ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ آئندہ جب ان مجالس کی تشکیل کی نوبت آئے گی تو حکومت زیادہ تدبر کا ثبوت دے گی۔

اجناس خوردنی کی صورت حال

کمرشیل کارپوریشن کے قیام کا مقصد

حکومت سرکار عالی نے ایک کمیونک کے ذریعہ اعلان کیا ہے کہ چونکہ اس کے کہ ممالک محروسہ سرکار عالی میں ضروری اجناس خوردنی بالخصوص جوار کے موجودہ موقف کے بارہ میں مختلف قسم کی بے بنیاد افواہیں پھیلی ہوئی ہیں حکومت سرکار عالی مناسب خیال کرتی ہے کہ موجودہ صورت حال کو عوام الناس پر واضح کردیا جائے۔

عوام الناس اس سے واقف ہیں کہ گیہوں کی قیمتوں پر (ایک ایسی جنس ہے جس کو حیدرآباد ہمیشہ درآمد کرتا ہے) سارے برطانوی ہند میں بتاسیت حکومت ہند نگرانی قائم کی گئی تھی اور حکومت حیدرآباد نے بھی جس دیگر ہندوستانی ریاستوں کے اسی قسم کی نگرانی قائم کرکے حکومت ہند کی پالیسی کے ساتھ اتحاد عمل کیا۔ یہ نگرانی پورے طور پر کامیاب ثابت نہیں ہوئی اور اس کے نتائج کا کافی تجربہ کرنے کے بعد چند ہفتوں قبل حکومت ہند نے یہ فیصلہ کیا کہ اس کو برخاست کردیا جائے اور قیمتوں کو طلب اور رسد کے معمولی عوامل کے لحاظ سے توازن قائم کرلینے کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ برطانوی ہند میں نگرانی کے برخاست ہونے کے بعد حیدرآباد میں بھی تقریباً چھ ہفتہ قبل گیہوں کی قیمتوں پر سے نگرانی اٹھالی گئی۔ جس کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ حیدرآباد میں اس جنس کی قیمت بتدریج بڑھتے بڑھتے (۱۲ء۱) روپیہ تک پہنچ گئی لیکن اس کے بعد سے آہستہ آہستہ (۴ء۱) روپیہ تک گھٹ گئی ہے۔

باجری اور موٹے چاول کی قیمتوں پر ہمسایہ صوبہ جات میں کوئی نگرانی قائم نہیں ہے۔ گزشتہ دو ماہ کے عرصے میں ان اجناس کی پیدائش کے منطقہ مراکز میں باجرا کی قیمت ۱۳ روپیے سے بڑھ کر (۱۹) روپیہ تک اور موٹے چاول کی ۱۵ روپیہ سے بڑھ کر (۲۵) روپیہ تک پہنچ گئی ہے۔

یہ باور کیا جاتا ہے کہ ہندوستان کی بڑی وحدتوں کے منجملہ صرف حیدرآباد ہی ایک ایسی وحدت ہے جہاں جوار کی قیمتوں پر حکومت نے نگرانی قائم کی۔ کیونکہ یہی ایک ایسی جنس ہے جو نہ صرف ممالک محروسہ سرکار عالی میں بسنے والی رعایا کی ایک بڑی اکثریت کی عام غذا ہے بلکہ اجناس خوردنی کی قلت اور نرخوں کی گرانی کے موجودہ زمانے میں یہی ایک ایسی جنس رہ گئی ہے جس پر غالباً عوام الناس اپنی غذا کے لئے تکیہ کرسکتے ہیں۔

ممالک محروسہ سرکار عالی میں اس جنس کی پیدائش کے مراکز میں نگرانی کے تحت جو قیمت مقرر تھی وہ (۱۱) روپئے اور (۰۰۰ء۱۲) کے درمیان تھی معمولی زمانے میں جوار کی قیمت عموماً باجری اور موٹے چاول کی قیمت کے درمیان رہا کرتی تھی۔ لیکن قیمتوں کا یہ توازن باجری اور موٹے چاول کی قیمتوں میں علی الترتیب (۱۹) اور (۲۵) روپئے تک سنگین اضافہ ہوجانے کی وجہ سے بالکلیہ بگڑ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کاشتکار اور درمیانی اشخاص قدرتی طور پر نگرانی کے تحت مقررشدہ ارزان قیمت پر جوار فروخت کرنے سے ناراض رہے۔ حال ہی میں بلدہ حیدرآباد میں اور دو ایک اضلاع کے مستقر پر جوار کی بہم رسانی بالکلیہ اس جنس کی پیدائش کے اضلاع کے کاشتکاروں اور ذخیرہ کرنے والوں کے اسی تامل کا نتیجہ تھی۔ مقررشدہ قیمت میں اضافہ کرنے کے بعد بھی یہ تامل رفع نہ ہوسکے۔ اور نہ بازاروں میں جوار کی آزاد نقل و حرکت میں اس سے کوئی ترغیب ہوسکی۔ تقریباً ہر جگہ مقررشدہ قیمت پانے نگرانی کی خلاف ورزی ہو رہی تھی اور دیہات اور قصبات میں گراں تر قیمتوں پر خرید و فروخت ہونے لگی۔ اس کے علاوہ یہ محسوس کیا گیا کہ جوار کی قیمتوں کو ایک ایسی مصنوعی سطح پر قائم کرنے کی کوشش کرنا جو ہندوستان کے بقیہ حصص کی موجودہ قیمتوں کی سطح سے بہت کمتر ہو کاشتکاروں کے حق میں ناواجبی ہوگا جو مسلسل ۱۹۴۶ء سے جوار کی ارزان قیمتوں کی وجہ سے پریشان رہے ہیں۔ لہذا اس مسئلہ پر پورے طور پر اور نہایت احتیاط کے ساتھ غور کرنے کے بعد حکومت نے ان احکام کو جن کے ذریعہ جوار کی انتہائی قیمت مقرر کی گئی تھی، منسوخ کرنے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ اس جنس کی آزاد نقل و حرکت میں ترغیب ہو اور غذا کی موجودہ صورت حال سنبھل جائے۔ اس میں شک نہیں کہ نگرانی برخاست ہوتے ہی نرخوں میں یک لخت اضافہ ہوجائے گا لیکن حکومت کو اس کی توقع ہے کہ تھوڑے سے عرصہ میں اس جنس کا نرخ باجری اور موٹے چاول کی رائج قیمتوں کے درمیان اپنی معمولی سطح پر قائم ہوجائے گا۔ اور بازاروں میں جوار کی آمد و رفت آزادانہ اور مسلسل ہوجائے گی۔

گزشتہ چند دنوں میں جب کہ شہر حیدرآباد میں جوار کی قلت کی وجہ سے تقریباً سراسیمگی کی کیفیت پیدا ہوگئی تھی، خاص طور پر اس امر کی کوشش کی گئی کہ صورت حال کو سنبھالنے کے لئے اضلاع سے جوار لائی جائے۔

ریلوے کے مخصوص انتظامات کے علاوہ موٹر لاریاں بھی جوار لانے کے لئے دوڑائی گئیں اور عوام کی طلب کی تکمیل کے لئے جوار کی فروخت کا انتظام ارزاں فروشی کی دوکانوں کے علاوہ شہر کے دیگر مقامات پر بھی کیا گیا۔

اس وقت شہر میں جوار کافی مقدار میں بہ سہولت ہو رہی ہے اور اگرچہ تھوڑی سی دشواری باقی رہ گئی ہے تو وہ بھی بہت جلد رفع ہوجائے گی۔ گزشتہ چند دنوں میں زیادہ مقدار بہ سہولت ہو رہی ہے اور اگرچہ تھوڑی سی دشواری باقی رہ گئی ہے تو وہ بھی بہت جلد رفع ہوجائے گی۔ گزشتہ چند دنوں میں زیادہ مقدار میں جوار فروخت ہونے کی وجہ سے ابھی سے اس جنس کی طلب میں کمی کے آثار ظاہر ہو چکے ہیں۔ آبادی کے غریب ترحصہ کی امداد کی غرض سے حکومت نے بلدہ حیدرآباد میں فی الوقت ارزاں فروشی کی دکانوں پر غلہ کی فروخت کا انتظام اور ان ہی خوراک فروشی کی قیمتوں پر جاری رکھا ہے جو نگرانی برخاست ہونے سے قبل رائج تھیں۔ اور اس عمل سے جو نقصان ہو رہا ہے اس کو حکومت برداشت کر رہی ہے لیکن ارزاں فروشی کی دکانوں پر غلہ کی بتدریج کمی تدراً غالباً ضروری ثابت ہوگا۔

بعض لوگوں کو مغالطہ ہے کہ "حیدرآباد کمرشیل کارپوریشن لمیٹیڈ" کے اغراض و مقاصد کو جو حال میں حکومت کے زیر سرپرستی قائم کیا گیا ہے نہیں سمجھا ہے یہ اندیشہ ہے کہ اس کارپوریشن کے کاروبار کی وجہ سے غلہ کے بیوپاری اپنے معمولی پیشہ سے محروم ہوجائیں گے۔ یہ اندیشہ بھی عام طور پر کیا جارہا ہے کہ حیدرآباد سے اشیائے خوردنی کی برآمد ہونے سے ممالک محروسہ سرکار عالی میں لازمی طور پر غذا کی قلت ہوجائے گی۔ صورت حال یہ ہے کہ مرکزی حکومت نے سارے ہندوستان کے لئے تقسیم غذا کی جو جدید اسکیم مرتب کی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کی جن وحدتوں میں اجناس خوردنی کی پیداوار مقامی ضروریات سے زائد ہو ان کی فاضل پیداوار کی برآمد سے ایسی وحدتوں میں جہاں ان اجناس کی قلت ہے غذا کی تقسیم میں توازن پیدا کیا جائے اس اسکیم کے تحت حیدرآباد نے بھی ہندوستان کی دیگر بڑی وحدتوں کی طرح طے کیا ہے کہ نرخوں کی نگرانی سے ساقط کرکے صورت حال کو قابو میں رکھنے کی یہ تدبیر اختیار کرے کہ برآمد صرف حکومت کی اجازت سے اور حکومت کی جانب سے ہوسکے۔

حیدرآباد سے جوار باجری اور دیگر چھوٹے دانہ دار اجناس اور دالوں کی فاضل پیداوار ہمیشہ سے کثیر مقدار میں برآمد ہوتی رہی ہے لیکن گیہوں یا چاول کی حد تک حیدرآباد اپنی ضروریات کے لئے خودمکتفی نہیں ہے۔ اگر ہم متذکرہ اجناس اور دالوں کی برآمد روک دیں تو ہم نہ صرف گندم، منتقلات گندم، چاول، نمک اور دیگر اشیاء کی درآمد نہ کرسکیں گے بلکہ ہمارے کاشتکار اپنے متذکرہ اجناس اور دالوں کو معقول قیمت پر بازار میں فروخت بھی نہ کرسکیں گے۔ حیدرآباد کے ارضی حدود کبھی بھی ساحلی سرحدات نہیں رہے ہیں اور نہ ہی اور ہر کوشش جو اس کی سرحدات کو ساحلی سرحدات بنانے کی غرض سے کی جائے اور اس طرح تقسیم غذا کی اسکیم میں بقیہ ہندوستان کے ساتھ تعاون عمل سے انکار کیا جائے خطرناک نتائج پیدا کرے گی۔ اس سلسلہ میں یہ بھی واضح کردیا جاتا ہے کہ اضلاع دیگر کو جوار برآمد کرنے کے

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۹)

صحت عامہ کو ترقی دینے کی کوشش

بعض اہم اعداد و معروفیات

ہر سال دو لاکھ سے زیادہ اشخاص کو طاعون سے محفوظ رکھنے والے ٹیکے لگائے جاتے ہیں جس کی وجہ سے اس مرض کی ہلاکت آفرینی میں کمی ہو گئی ہے۔

۱۳۲۰ف سے ایک مخصوص محکمہ طاعون قائم ہے جس پر (۴۳۰۰۰) روپئے سالانہ صرف ہوتے ہیں۔ ان مصارف کی نصف مقدار محکمہ صحت عامہ برداشت کرتا ہے اور باقی ملک کی بلدیات مجلس بلدیہ کرتی ہے۔

لازمی طور سے بچوں کے ٹیکہ لگانے کا عمل ۱۳۲۲ف سے جاری ہے اور ہر سال (۴) لاکھ سے زیادہ ٹیکے لگائے جاتے ہیں۔

سرکاری شفاخانوں میں ہر سال (۳۰۰۰) سے زیادہ نارو کے مریضوں کا علاج کیا جاتا ہے اور شہر میں دو کنوؤں کو کنڈی کنوئیں بنا دینے کی وجہ سے اس مرض کے اثرات قطعی کم ہو رہے ہیں۔

اضلاع گلبرگہ و رائچور میں ایک مہم (۱۳۲۶ف) کنوئیں کھودے جا چکے ہیں۔ اب محکمہ بلدی یا دیہات عثمان آباد میں مصروف ہے جہاں (۱۳۰۰) کنوئیں کھودے جائیں گے۔ محکمہ ہذا کو (۵) لاکھ روپے سالانہ عطا کئے جاتے ہیں اب تجویز ہے کہ یہ رقم (۱۰) لاکھ روپے سالانہ تک بڑھا دی جائے۔

تمام ایسے شہروں میں جن کی آبادی (۲۰۰۰۰) سے زیادہ ہے بلدی ہیلتھ عہدہ دار مقرر کئے گئے ہیں اور دیہی علاقوں میں تربیت یافتہ دائیوں کا بھی تقرر کیا گیا ہے۔ صحت عامہ سے متعلق تشہیری کام انجام دینے کے لئے موٹر گشتی دواخانے تمام ممالک محروسہ کا دورہ کرتے ہیں۔

محکمہ صحت عامہ مرض کالرا سے محفوظ رکھنے کے لئے ہر سال لگ بھگ لاکھ سے زیادہ ٹیکے لگاتا ہے، چنانچہ پنڈھرپور (مو بمبئی) جانے والے (۲۵۰۰۰) زائرین کے بھی ٹیکے لگائے گئے اور حکومت بمبئی نے اس احتیاطی تدبیر کے لئے حکومت سرکار عالی کا شکریہ ادا کیا۔

اندراج پیدائش و اموات ٹیکہ اندازی اور امراض متعدی سے متعلق بعض اہم مسودات قانون حکومت کے زیر غور ہیں۔

محکمہ صحت عامہ کے زیر نگرانی (۳۳) ہیلتھ انسپکٹر (۹۰) سینٹری انسپکٹر (۴۵) سب انسپکٹر اور (۲۰۰) ٹیکہ انداز صحت عامہ کو ترقی دینے اور امراض کی روک تھام کرنے میں مصروف ہیں۔

قصبات و مواضعات میں ایک گشتی سینما کار ہے جس کے ذریعہ بیماریوں اور ان کی روک تھام اور حفظان صحت و دیگر متعلقہ امور کے متعلق دلچسپ اور ہدایت آموز فلمیں دکھلاتا ہے اور یہ گشتی سینما کار تمام اہم میلوں اور تہواروں میں بھی ان فلموں کی نمائش کے لئے روانہ کی جاتی ہے۔

محکمہ طبابت سرکار عالی میں (۸۳) سیول سرجن (۴۸) اسسٹنٹ سرجن اور (۱۳۱) سب اسسٹنٹ سرجن ملازم ہیں۔ شفاخانوں اور دواخانوں کی تعداد (۱۵۲) ہے۔ ہر سال (۳۱۰۰۰) سے زیادہ غیر مقیم مریضوں اور (۴۵۰۰۰) سے زیادہ مقیم مریضوں کا علاج کیا جاتا ہے اور (۱۱۰۰۰) سے زیادہ آپریشن کئے جاتے ہیں۔

لیڈی ڈاکٹروں میں (۲) سیول سرجن (۳) اسسٹنٹ سرجن اور (۳۲) سب اسسٹنٹ سرجن ہیں۔ ہر سال (۱۲۰۰۰۰) سے زیادہ عورتوں کا علاج غیر مقیم مریضوں کی حیثیت سے اور (۲۰۰۰۰) کا علاج مقیم مریضوں کی حیثیت سے کیا جاتا ہے۔ اور (۶۰۰۰) سے زیادہ زچگی کے مریضوں کا علاج بھی سرکاری شفاخانوں میں ہوتا ہے۔

۱۳۲۵ف میں طلباء مدارس کے طبی معائنہ کا طریقہ شروع کیا گیا تھا چنانچہ ہر سال اوسطاً (۱۰۰۰۰) لڑکوں اور (۵۰۰۰) لڑکیوں کا بھی معائنہ کرکے انہیں ضروری مشورہ دیا جاتا ہے۔

ممالک محروسہ سرکار عالی میں ہر سال تقریباً (۲۵۰۰۰) زچائیں اور [illegible] ہوتے ہیں اور محکمہ صحت عامہ ان حوادث پر احتیاطی تدابیر اختیار کرنا اور صحت کو ترقی دینے کے متعلق تشہیری کام انجام دیتا ہے۔

شہر حیدرآباد کے مراکز بہبودیٔ اطفال میں ہر سال (۲۰۰۰) سے زیادہ بچے شریک کئے جاتے ہیں۔

آئینی مشاورتی مجالس

پارٹی کے مفاد کو مملکت کے عظیم تر مفاد پر ترجیح

جماعت اتحاد و ترقی کی قرارداد

جماعت اتحاد و ترقی کی مجلس عاملہ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۰ امرداد میں حسب ذیل قرارداد منظور کی۔

"جماعت اتحاد و ترقی اس حقیقت کا اعادہ کرتی ہے کہ حکومت سرکار عالی کا عام مسلک روایات مملکت آصفیہ کے مطابق غیر فرقہ وارانہ ہے۔ اس لحاظ سے اس جماعت کو بجا طور پر یہ توقع تھی کہ مشاورتی مجالس کی تشکیل ایسی ہوگی کہ جس سے سلطنت آصفیہ کے جمہوری اغراض کی تکمیل ہو اور روایات آصفی کی صحیح نمائندگی ہو سکے۔ مشاورتی مجالس کی تشکیل کا جو اعلان ہوا ہے اس میں اگرچہ جماعت ہذا کی نمائندگی موجود ہے لیکن فرقہ وارانہ اداروں سے متاثر ہو کر ان کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے جو جماعت ہذا کے خیال میں مفاد سلطنت آصفی کے منافی ہے۔ جماعت ہذا بھی واضح کر دینا چاہتی ہے کہ ایسے اداروں کی ہمت افزائی جو پارٹی کے مفاد کو سلطنت کے عظیم تر مفاد پر ترجیح دیتے ہیں کیا غیر مناسب ہے؟"

مجلس عاملہ نے اتحاد و ترقی کی کارروائی اور عام دستخطی سے متعلق سابقہ قرارداد مورخہ ۱۳۵۲ف جس کا اعلان مقامی اخبارات میں کیا گیا تھا کے سلسلہ میں عوام کی جانب سے جو تجاویز وصول ہوئیں ان پر بھی غور کیا۔ یہ اتفاق آراء طے پایا کہ چونکہ تمام مکاتب خیال کا ایک مشترکہ جلسہ نواب امیر حسن خان صاحب کے قیام گاہ پر ۲۰ امرداد کی شب کو اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے منعقد ہو رہا ہے اس وقت تک جماعت ہذا کی کارروائی ملتوی رکھی جائے۔

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

ایک نامہ نگار نے تحریر کیا ہے کہ :۔
"ساہوکار، بڑے زمیندار، دیسمکھ اور دیگر تاجران غلہ اجناس خوردنی کے ذخائر پر قبضہ جمائے بیٹھے ہیں اور انہیں بازار میں آنے نہیں دیتے نہ صرف یہی بلکہ حکومت کی جانب سے جو مال ان بیوپاریوں کو سرکاری دکانات پر فروخت کرنے کے لئے دیا جاتا ہے اس میں سے بھی ایک کثیر مقدار وہ اپنی خانگی دکانوں پر یا خفیہ ذخائر میں منتقل کر دیتے ہیں۔ کیا کوئی ایسی صورت نہیں نکل سکتی کہ ملک کے جملہ ذخائر اجناس حکومت کی جانب سے ضبط کرلئے جائیں؟ مجھے یقین ہے کہ اگر حکومت کی جانب سے ایسا اقدام کیا گیا تو غریب اور متوسط طبقے حکومت کے بے انتہا مشکور ہوں گے۔ براہ کرم آپ اس اہم معاملہ میں اپنے اخبار کے ذریعہ حکومت کو متوجہ فرمائیے"

کسی اہم مسئلہ کی جانب حکومت یا پبلک اداروں کو متوجہ کرنے کا ہمارے پاس موثر ترین ذریعہ یہی ہے کہ ہم اس مسئلہ کو "نمک پاروں" میں جگہ دیں چنانچہ ہم نے یہ فرض انجام دے دیا ہے۔ اب رہا نفس معاملہ ہماری رائے میں ذخائر کو ضبط کرنے میں کوئی قانونی یا سیاسی امر مانع نہیں ہے۔ اگر کوئی معاشی امر مانع ہو تو ہم کہہ نہیں سکتے۔

بشیر باغ کی زنانہ کلب نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ مفید اور سستی غذاؤں کے پرچار کی مہم آغاز کرے گی (ایک خبر)

ہماری رائے ہے کہ محض پرچار سے کام نہیں چلے گا۔ عملی مظاہروں کی شدید ضرورت ہے۔ بکوان ہوں اور بکوان کے مقابلے ہوں۔ اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اس بکوان کو چکھنے اور رائے دینے کے مقابلے میں ہم اول نہیں تو دوم ضرور آئیں گے۔ غذاؤں کی مہم یوں سر ہوا کرتی ہے۔

---

۱۰ امرداد ی بہشت۔ معلوم ہوا ہے کہ مرکزی مسلم تاجران کا ایک غیر معمولی جلسہ کل صبح کے گیارہ بجے بصدارت خواجہ بہاؤ الدین صاحب منعقد ہوا۔ دکانات بند کرنے کی تحریک پر بہت دیر تک بحث ہوتی رہی بالآخر تقریباً ایک بجے یہ طے پایا کہ فرمان مبارک مورخہ ۱۸ امرداد ی بہشت ۱۳۵۵ ف کی تعظیم و تکریم اور تعمیل لازمی ہے فرمان مبارک کے پورے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اگر کوئی تاجر بہادر یار جنگ بہادر کی ہمدردی میں اپنی دکان بند کرنا چاہے تو بند کر سکتے ہیں۔ (اردو نیوز)

تنقید غیر ضروری ہے۔

ایک پبلک کارکن نے ہمیں توجہ دلائی ہے کہ کثرت تعطیلات کے علاوہ موسم گرما میں صبح کے دفاتر ہونے کی وجہ سے کام بہت کم انجام پاتا ہے۔ پس اس کے خلاف ایک مہم جاری کرنی ضروری ہے۔

تخفیف تعطیلات کے مسئلہ میں سارا حیدرآباد متفق ہے۔ البتہ اس سوال کی نسبت کہ اوقات دفاتر صبح کے ہوں تو کام زیادہ ہو سکتا ہے یا کم اختلاف رائے کی گنجائش ہے۔ چونکہ دوران جنگ میں مختلف فیہ مسائل کو چھیڑنا خلاف مصلحت ہے اس لئے اوقات دفاتر کے مسئلہ کو ہم تاختم جنگ ملتوی رکھتے ہیں۔ مگر تخفیف تعطیلات کے لئے مہم جاری کرنا ہر طرح جائز ہے کیونکہ یہ مہم محاذ روس کے برخلاف ہر موسم میں جاری رہ سکتی ہے ——— گرما ہو یا سرما۔

سر تیج بہادر سپرو نے مسائل جاگیرداران کے حل کی جانب حکومت سرکار عالی کو متوجہ کر کے ملک کے بعض جرائد اور اداروں کی پریشانی میں اضافہ کر دیا ہے۔ کیونکہ وہ سمجھ رہے ہیں کہ سر تیج بہادر کی تائید سے طبقہ جاگیرداران اپنی موجودہ الجھنوں سے چھٹکارا حاصل کرے گا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ تشویش بیجا ہے کیونکہ اس کا کوئی امکان نہیں کہ حکومت جاگیرداروں کے مسئلہ میں کسی قسم کا اقدام کرے۔ اگرچہ ایک زمانہ سے جاگیردار حکومت سے کہتے رہے ہیں ؎

بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی
وہ اک نگہ جو بظاہر نگاہ سے کم ہے۔

"ٹائمز آف انڈیا" کا نامہ نگار خصوصی مقیم لندن تحریر کرتا ہے کہ "ایک چیز جس سے آپ کو حیرت ہوگی یہ ہے کہ انگلستان میں مدارس کے نصاب میں مذہبی تعلیم کو لازمی قرار دینے پر اصرار کیا جا رہا ہے؟"

معاصر "وقت" کے لئے ایک لقمہ تر

آئینی مشاورتی مجالس میں فرقہ وارانہ اداروں کے ارکان کو نامزد کرکے پارٹی کے مفاد کو مملکت کے عظیم تر مفاد پر ترجیح دی گئی ہے۔ (ایک قرارداد)

اب ہماری سمجھ میں آیا کہ دستوری اصلاحات کی اسکیم مفاد واتی بنا پر کیوں تشکیل دی گئی۔

پیٹ کے سوال کو حل کرنا حکومت اور عوام، سرکار پرست اور سرکار دشمن سب کے لئے ضروری ہے۔ یہ ایک ایسا دشمن ہے جو ہندو مسلمان دونوں کا گلا گھونٹ رہا ہے اور جس پر فتح حاصل کرنے کے لئے ہندو مسلمان دونوں ایک ہو سکتے ہیں اور اپنے لیڈروں کے نعرہ علحدگی کے باوجود ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو سکتے ہیں (ایک معاصر)

ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کی نوبت تو جب آئے گی۔ فی الحال یہ ابنائے وطن غلہ کی سرکاری دوکانوں پر پیٹ کا سوال حل کرنے کے لئے جمع ہو رہے ہیں اور اس طرح جمع ہو رہے ہیں کہ ایک دوسرے سے بغل گیر یعنی دست و گریبان ہو رہے ہیں اور پولیس کا "نعرہ علحدگی" بھی ان کو ہٹا نہیں سکتا۔ اتحاد زندہ باد!

بمبئی میں یوم پاکستان کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے ڈاکٹر عبد المجید قاضی نے کہا کہ :۔

"پاکستان میں مسلمان اسلامی ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں جہاں انہیں کامل سیاسی و معاشی اختیارات کے ساتھ ثقافتی آزادی حاصل رہے گی۔ جہاں "قوت انسانی" کے اصول کو رو بہ عمل لایا جائیگا۔ جہاں جمہوری طرز حکومت قائم ہوگی اور ملک کی معاشی زندگی کا انتظام سوسائٹی کے عام مفاد کے مطابق کیا جائے گا۔ مختصر یہ کہ یہ ایک اشتراکی ریاست ہوگی" (بمبئی کرانیکل)

اشتراکی ریاست؛ حیرت ہے کہ ڈاکٹر عبد المجید قاضی نے "ترجمان ملت" کے غیظ و غضب کا کوئی لحاظ نہیں کیا۔

ضلع کانفرنس گلبرگہ کے خطبہ صدارت پر تبصرہ کرتے ہوئے معاصر "شیر دکن" نے یہ اعتراض کیا ہے کہ خطبہ صدارت مقامی زبان میں کیوں شائع نہیں کیا گیا۔ اور یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اگر مقامی زبان میں شائع کیا جاتا تو اضلاع کی دیہی رعایا مطالب تقریر اور منشائے حکومت سرکار عالی سے واقف ہو سکتی۔

ہماری اطلاع یہ ہے کہ اخبار "شیر دکن" کے ——— جو اردو میں چھپتا ہے اور جس کی اشاعت اضلاع میں بہت کافی ہے ——— مطالب تحریر اور منشاء کو اضلاع کی دیہی رعایا پڑھ سکتی اور بخوبی سمجھ سکتی ہے۔

آصفجاہی درباروں کے آداب و رسم

سلسلہ صفحہ اول

رہتا تھا دربار کے مقررہ حاضرین کے علاوہ جدید لوگوں کو دربار میں آنے کی اجازت نہ ہوتی تھی اور اجازت بہت احتیاط سے دیجاتی تھی۔ جو شخص دربار میں آنا چاہتا تھا وہ جلوہ دار مجاز کے پاس درخواست پیش کرتا تھا۔ اس جلوہ دار کو مشرف دیوان خانہ کہتے تھے۔ ایسی درخواستیں جن میں تاریخ اور درخواست گذار کی حیثیت واضح ہوتی تھی مشرف دیوان خانہ کے دفتر میں پیش ہوتی تھیں۔ اور تحقیق کے بعد اجازت ہوتی تھی اور موجلہ دار چوبداروں کو اطلاع دیجاتی تھی کہ درخواست گذار کو دربار میں داخلہ کی اجازت دیجائے۔ اور ایک مرتبہ اجازت کے بعد پھر کوئی مزاحمت نہیں ہوتی تھی اور درخواست گذار عمر بھر دربار میں آسکتے تھے۔ حضرت مغفرت مآب کو درباری لباس کا بھی بہت خیال رہتا تھا۔ درباریوں کو خاص لباس میں آنا پڑتا تھا۔ اول تو دستار کی بندش خاص ہوتی تھی۔ حضرت مغفرت مآب چیرہ کی دار دستار پسند کرتے تھے اور اس کی ایک ہی بندش ہوتی تھی۔ بندش پیچ دو حصے بنانے کی اجازت نہ تھی۔ اور دستار کا رنگ ہلکا سبز تھا۔ گہرا سرخ رنگ کی اجازت نہ تھی۔ چنانچہ سرخ دستار پہن کر دربار میں آنے کی اجازت نہ تھی۔ دوسرے لباس کے متعلق یہ قاعدہ تھا کہ جامہ کا دامن اتنا لمبا ہو کہ وہ زمین پر غلطاں ہو اور گریبان تنگ نہ ہو اور بغیر کمر باندھے کوئی شخص دربار میں نہیں آسکتا تھا۔ سر پر یا کندھے پر شال یا دوپٹہ رکھنے کی ممانعت تھی۔ ہر نئے درباری کو مشرف دیوان خانہ پہلے سے لباس وضع قطع کی ہدایت کردیتے تھے کہ مقررہ ضابطوں کے مطابق لباس پہن کر آئیں۔ تاریخ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دربار کے حکام بوقت ضرورت درباریوں کے لباس کی قطع و برید بھی کر دیتے تھے چنانچہ نواب عوض خاں نے جو حضرت مغفرت مآب کے زمانے میں اورنگ آباد کے ناظم تھے یہاں تک کیا تھا کہ دربار کے باہر ایک خیمہ کھڑا کر دیا اور اس کے ساتھ دو الگ قومی بنگلی آدمی متعین کردئے تاکہ جو درباری بے ضابطہ جامہ پہن کر آئے اس کا لباس قطع کر دیا جائے۔ جب کبھی کسی کا جامہ دراز ہوتا تو خیاط فوراً اس کو کاٹ کر ٹھیک کر دیتا تھا تاکہ دربار کی وضعداری میں فرق نہ آئے۔

مچھلی بندر کا کپڑا۔

حضرت مغفرت مآب کے تمام جانشینوں نے بھی دربار کی زیب و زینت قائم رکھی نواب ناصر جنگ شہید کو بھی دربار کے حسن سلیقہ کا بہت خیال رہتا تھا۔ وہ خود بھی خاص شاہی لباس میں ملبوس ہوتے تھے۔ چنانچہ ان کو چھینٹ بہت پسند تھی۔ چھینٹ اور قلمکار کے کپڑے وہ بندر مچھلی پٹن سے منگواتے تھے کیونکہ یہاں پر کپڑے بہت تیار ہوتے تھے دکن کے علاوہ ہندوستان کے اکثر حصوں میں جاتے تھے۔ دستار اور کمربند کے لئے جو چھینٹ تیار ہوتی تھی وہ موسم برسات میں فروخت ہوتی تھی۔ نواب ناصر جنگ شہید کو نارنجی رنگ کی دستار بہت پسند تھی اور مختلف رنگ کی دستاریں پہنتے تھے۔ یہ دستار خود اپنے ہاتھ سے باندھتے تھے۔ چنانچہ یہ مشہور تھا کہ ناصر جنگ شہید اپنے ہاتھ سے کمری دار دستار اچھی باندھتے ہیں۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ نواب شہید حضرت مغفرت مآب کے دربار میں بہت دیر سے آئے۔ مغفرت مآب نے دیری کی وجہ دریافت کی تو کہا کہ میں دستار باندھ رہا تھا ایک مرتبہ خراب معلوم ہوئی تو اس کو توڑ کر دوسری باندھی۔ تو والد ماجد نے نصیحت کی کہ انسان کو اپنی زیبائش میں اس قدر غرق نہ ہونا چاہئیے اس کے بعد انہوں نے اپنی زیب و زینت بہت کم کر دی تین پیچ باندھکر بندش ختم کر دیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ دستار ٹھیک ہوگئی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ نواب شہید کے درباری بھی اپنے لباس و وضع قطع کی پوری پابندی کرتے تھے اور نواب شہید کا دربار مغفرت مآب کے دربار سے کم نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ دارالسلطنت کے علاوہ سفر میں بھی جہاں مقام ہوتا تھا انہیں آداب کے ساتھ دربار منعقد ہوتے سنہ ۱۷۵۰ء میں نواب شہید نے کرناٹک میں فرانسیسیوں پر حملہ کیا تھا۔ ارکاٹ میں مقام کیا۔ اس موقع پر بھی آپ کے دربار اسی تزک و احتشام سے منعقد ہوئے اور اس کا خوب رعب بندھتا تھا۔ غلام علی آزاد بلگرامی جو نواب شہید کے استاد تھے کہتے ہیں کہ نواب شہید بڑے پایہ کے حکمران تھے۔ ان پر شاہی خوب پھبتی تھی اور درباروں میں خوب رعب بندھتا تھا۔

تبدیل پایۂ تخت۔

صلابت جنگ کے بعد حضرت غفران مآب آصفجاہ ثانی فائز سلطنت ہوئے تو سلطنت میں ایک نئی جان پڑگئی۔ غفران مآب کے دربار بھی اسی تزک و احتشام سے ہونے لگے جیسے خود مغفرت مآب کے تھے۔ غفران مآب نے بالآخر اورنگ آباد کو چھوڑ کر حیدرآباد کو پایۂ تخت بنایا تو یہاں کئی محلات بنائے اور دربار کا انتظام کیا۔ حیدرآباد میں اورنگ آباد سے زیادہ پرشوکت دربار منعقد ہوئے۔ حضرت مغفرت منزل سکندر جاہ بہادر بھی آداب دربار کا لحاظ رکھتے تھے۔ حسب دستور درباروں میں زردوزی مسند بچھتی تھی اور وزرا اور امرا ادب سے بیٹھ جاتے تھے۔

تاریخ میں ایک دربار کا ذکر ہے جس میں شاہ عالم ثانی کی طرف سے حیدرآباد کو فرمان آیا تھا۔ باغ لنگر کے پاس دربار منعقد ہوا جس میں وزرا اور امرا حاضر تھے اور اس میں دہلی کے ایلچی کو باریابی ہوئی اور شہنشاہ کے فرمان کو بڑی عزت سے لیا گیا۔ جب کبھی وزرا اور امرائے کبار بادشاہ کو دعوت دیتے تو اس میں بھی شاہی آداب کا پورا لحاظ ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ راجہ مہیپت رائے نے جن کو سکندر جاہ بہادر کے عہد میں مدار المہامی عطا ہوئی تھی اپنے گھر میں حضور کی ضیافت کی ایک لاکھ روپیوں کا چبوترہ بنا کر اس پر خاص مسند لگوائی اور نذریں گذرانیں۔

برطانوی سفیروں کو خطابات۔

سکندر جاہ بہادر کے عہد میں انگریز رزیڈنٹ بھی مقامی وزرا اور امرا کی طرح دربار میں شریک ہوتے تھے اور دربار کے آداب کی پوری پابندی کرتے تھے اور ان کو خطاب بھی عطا ہوئے۔ چنانچہ جیمز کرک پیٹرک صاحب کو حشمت جنگ۔ طامس سڈنہم صاحب کو ثابت جنگ خطاب مرحمت ہوئے اور بعض درباروں میں ان کو خلعت بھی سرفراز ہوئی ہے۔ چنانچہ سنہ ۱۲۲۳ھ کے دربار میں حضرت منزل سکندر جاہ بہادر نے رزیڈنٹ کپتان سڈنہم صاحب کو ملبوس خاص عنایت فرمایا۔ اس کے دوسرے دن رزیڈنٹ صاحب موصوف نے دربار میں حاضر ہوکر اس خلعت کے شکرانے میں نذر گزرانی۔

سنہ ۱۲۴۴ھ میں جب حضرت غفران منزل نواب ناصر الدولہ بہادر حکمران ہوئے تو درباروں میں اور رونق آگئی۔ گلزار آصفیہ کے مؤلف نے غفران منزل کے پہلے درباروں کا بہت اچھا نقشہ کھینچا ہے جبکہ آپ کی مسند نشینی ہوئی تھی۔ پہلے دربار میں تو حضرت مغفرت منزل کی رسم تعزیت ادا کی گئی۔ اس میں راجہ چندو لعل۔ منیر الملک اور شمس الامرا بہادر کے علاوہ رزیڈنٹ وقت کپتان رٹن صاحب بھی حاضر تھے۔ دوسرے دن تہنیت دربار ہوا جس میں چھوٹے بڑے تمام امرا و وزرا کو حاضری کا موقع دیا گیا۔ سب نے مبارکباد کی نذریں گذرانیں۔ اس کے بعد پھر جلوس ہوا۔

حضرت مغفرت مکان افضل الدولہ بہادر کے عہد میں بھی تمام آداب شاہی بحال رہے اور قدیم آداب کی پوری حفاظت کی گئی چنانچہ اس عصر کی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مغفرت مکان کے دربار بڑے اہتمام سے منعقد ہوتے تھے اور قدیم آداب شاہی میں ذرہ برابر فرق روا نہیں رکھا گیا۔ مسند نشینی کا پہلا دربار ۲۰ ذیقعدہ سنہ ۱۲۷۳ھ کو منعقد ہوا تھا آپ نے شاہی مسند پر جلوس فرمایا۔ مسند کے پیچھے راجہ نریندر بہادر پیشکار بیٹھے تھے جن کے ہاتھ میں مورچھل تھا۔ بندگانعالی کے سیدھے جانب نواب مختار الملک سالار جنگ اور رزیڈنٹ وقت اور دوسرے انگریز عہدہ دار تھے مسند کے بائیں جانب امیر کبیر شمس الامرا بہادر۔ عمدۃ الملک، اقتدار الملک اور محمد محی الدین خاں فتح جنگ بیٹھے تھے رزیڈنٹ اور دوسرے انگریز عہدہ دار تو پان وغیرہ لے کر رخصت ہوئے اور اس کے بعد دیوان اور پیشکار نے نذریں گذرانیں اور پھر امرائے پائیگاہ کی نذریں ہوئیں۔

رزیڈنٹ بہادر کو خلعت۔

سنہ [illegible] کا دربار بھی بہت قابل ذکر ہے جو [illegible] کے پیلس میں منعقد ہوا تھا۔ اس دربار میں سرکار انگریزی کی طرف سے حیدرآباد کی ان خدمات کا اعتراف کیا گیا جو ۱۸۵۷ء کے پر آشوب زمانے میں کی گئی تھیں۔ یہ ایک تاریخی دربار ہے جس میں حیدرآباد کے اعلیٰ عہدہ دار اور رزیڈنسی کے اکثر عہدہ دار شریک تھے۔ اس دربار کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ پہلے رزیڈنٹ کرنل ڈیوڈسن تشریف لائے ان کے ساتھ بعض انگریز عہدہ دار بھی تھے۔ نواب مختار الملک بہادر اور شمس الامرا بہادر جو پہلے سے دربار

[illegible]

انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل

از
جناب سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی

بسلسلۂ گذشتہ

اب دیکھئے جائز ذرائع سے جو کچھ انسان حاصل کرے اس پر اسلام اس شخص کے حقوق ملکیت تسلیم کرتا ہے مگر اس کے استعمال میں اسے بالکل آزاد نہیں چھوڑتا بلکہ اس پر متعدد طریقوں سے پابندیاں عائد کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کمائی ہوئی دولت کے استعمال کی تین ہی صورتیں ممکن ہیں۔ یا تو اس کو خرچ کیا جائے۔ یا اسے مزید نفع آور کاموں پر لگایا جاوے۔ یا اسے جمع کیا جائے۔ ان میں سے ایک ایک پر جو پابندیاں اسلام نے عائد کی ہیں ان کی مختصر کیفیت میں آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں۔

خرچ کرنے کے جتنے طریقے اخلاق کو نقصان پہنچانے والے ہیں یا جن سے سوسائٹی کو نقصان پہنچتا ہے وہ سب ممنوع ہیں۔ آپ جوئے میں اپنی دولت نہیں اڑا سکتے۔ آپ شراب نہیں پی سکتے۔ آپ زنا نہیں کر سکتے۔ آپ گانے بجانے اور ناچ رنگ اور عیاشی کی دوسری صورتوں میں اپنا روپیہ نہیں بہا سکتے۔ آپ ریشمی لباس نہیں پہن سکتے۔ آپ سونے کے ظروف اور جواہر کے زیورات استعمال نہیں کر سکتے۔ آپ تصویروں سے اپنی دیواروں کو مزین نہیں کر سکتے۔ غرض یہ کہ اسلام نے ان تمام دروازوں کو بند کر دیا ہے جن سے انسان کی دولت کا بیشتر حصہ اس کی اپنی نفس پرستی پر صرف ہو جاتا ہے۔ وہ خرچ کی جن صورتوں کو جائز رکھتا ہے وہ اس قسم کی ہیں کہ آدمی ایک اوسط درجے کی شستہ اور پاکیزہ زندگی بسر کرے۔ اور اس سے زائد اگر کچھ بچتا ہو تو اُسے خرچ کرنے کا راستہ اس نے یہ تجویز کیا ہے کہ اسے نیکی اور بھلائی کے کاموں میں، رفاہ عام میں اور اُن لوگوں کی امداد میں صرف کیا جائے جو معاشی دولت میں سے اپنی ضرورت کے مطابق حصہ پانے سے محروم رہ گئے ہیں۔ اسلام کے نزدیک آئیڈیل (Ideal) یہ ہے کہ آدمی جو کچھ کمائے اسے اپنی جائز اور معقول ضرورتوں پر خرچ کرے اور پھر بھی جو کچھ بچ رہے اسے دوسروں کو دیدے تاکہ وہ اپنی ضرورتوں پر خرچ کریں۔ اس صفت کو اسلام نے بلند ترین اخلاق کے معیاروں میں داخل کیا ہے اور ایک آئیڈیل کی حیثیت سے اس کو اتنے زور کے ساتھ پیش کیا ہے کہ جب کسی سوسائٹی پر اسلامی اخلاقیات کا اثر غالب ہوگا اجتماعی زندگی میں وہ لوگ زیادہ عزت کی نگاہ سے دیکھے جائیں گے جو کمائیں اور خرچ کر دیں اور ان لوگوں کو اچھی نگاہ سے نہ دیکھا جائیگا جو دولت کو سمیٹ کر رکھنے کی کوشش کریں یا کمائی ہوئی دولت کے بچے ہوئے حصے کو پھر کمانے کے کام میں استعمال کرنا شروع کر دیں۔

تاہم جو اخلاقی تعلیم کے ذریعے سے اور سوسائٹی کے اخلاقی اثر و دباؤ سے پھر بھی حرص و تنگ دلی رکھنے والے لوگوں کی کمزوریوں کا بالکل استیصال نہیں کیا جا سکتا۔

اس کے باوجود پھر بھی بہت سے ایسے لوگ باقی رہیں گے جو اپنی ضرورت سے زیادہ کمائی ہوئی دولت کو پھر مزید اور زیادہ دولت کمانے میں لگانا چاہیں گے، اس لئے اسلام نے اس کے استعمال کے طریقوں پر چند قانونی پابندیاں عائد کر دی ہیں۔ اس بچی ہوئی دولت کے استعمال کا یہ طریقہ کہ اسے سود پر چلایا جائے، اسلامی قانون میں قطعی حرام ہے۔ آپ اگر کسی کو اپنا مال قرض دیتے ہیں تو خواہ اس نے وہ قرض اپنی ضرورتوں پر خرچ کرنے کے لئے لیا ہو یا وسیلۂ معاش پیدا کرنے کے لئے، بہر حال آپ اس سے صرف اپنا اصل مال واپس لینے کے حقدار ہیں۔ اس سے زائد ایک حبہ لینے کا حق بھی آپ کو نہیں پہنچتا۔ اس طرح اسلام سرمایہ داری کی کمر توڑ دیتا ہے اور اس سب سے بڑے ہتھیار کو کند کر دیتا ہے جس کے ذریعہ سے سرمایہ دار شخص اپنے سرمایہ کے بل پر آس پاس کی معاشی دولت سمیٹتا چلا جاتا ہے۔ دوسرا فاضل دولت کے استعمال کا یہ طریقہ کہ اسے انسان خود اپنی تجارت یا صنعت و حرفت یا دوسرے کاروبار میں لگائے یا دوسروں کے ساتھ نفع و نقصان کا شریک ہو کر سرمایہ فراہم کرے تو اسلام اسے جائز رکھتا ہے، اور اس سے جو زائد از ضرورت اشخاص کے پاس سمٹ جاتی ہے اس کا علاج دوسرے طریقوں سے کرتا ہے۔

اسلام نے زائد از ضرورت دولت کے جمع کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ابھی میں کہہ چکا ہوں اس کا مطالبہ یہ ہے کہ جو کچھ مال تمہارے پاس ہے یا تو اسے اپنی ضروریات خریدنے پر صرف کرو یا دوسروں کو دو کہ وہ اس سے اپنی ضروریات خریدیں اور اس طرح پوری دولت برابر گردش میں آتی رہے لیکن اگر تم ایسا نہیں کرتے اور جمع کرنے ہی پر اصرار کرتے ہو تو تمہاری اس جمع کردہ دولت میں سے از روئے قانون ۲½ فی صدی سالانہ رقم نکلوائی جائے گی اور اسے ان لوگوں کی اعانت پر صرف کیا جائیگا جو معاشی جدوجہد میں حصہ لینے کے قابل نہیں ہیں یا سعی و جہد کرنے کے باوجود اپنا پورا حصہ پانے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اسی چیز کا نام زکوٰۃ ہے اور اس کے انتظام کی صورت جو اسلام نے تجویز کی ہے وہ یہ ہے کہ اسے جماعت کے مشترک خزانہ میں جمع کیا جائے، اور خزانہ ان تمام لوگوں کی ضروریات کا کفیل بن جائے جو مدد کے حاجتمند ہیں۔ یہ در اصل سوسائٹی کے لئے انشورنس کی بہترین صورت ہے۔ اور ان تمام خرابیوں کا استیصال کرتی ہے جو اجتماعی امداد و اعانت کا کوئی باقاعدہ انتظام نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ سرمایہ داری نظام میں جو چیز انسان کو دولت جمع کرنے اور اسے نفع آور کاموں میں لگانے پر مجبور کرتی ہے اور جس کی وجہ سے لائف انشورنس وغیرہ کی ضرورت پیش آتی ہے وہ یہ ہے کہ ہر شخص کی زندگی اس نظام میں اپنے ہی وسائل پر منحصر ہے۔ بڑھاپا ہو جائے اور کچھ بچا کر نہ رکھا ہو تو بھوکا مر جائے۔ بال بچوں کے لئے کچھ چھوڑے بغیر مرے تو وہ در بدر مارے مارے پھریں اور بھیک کا ٹکڑا تک نہ پائیں۔ بیمار ہو جائے اور کچھ بچا بچایا رکھا ہو تو علاج تک نہ کرا سکے۔ گھر جل جائے یا کاروبار میں نقصان ہو یا کوئی اور آفت ناگہانی آ جائے تو کسی طرف سے اس کو سہارا ملنے کی امید نہیں۔ اسی طرح سرمایہ داری نظام میں جو چیز محنت پیشہ لوگوں کو سرمایہ داروں کا زر خرید غلام بن جانے اور ان کی شرائط پر کام کرنے کے لئے مجبور کرتی ہے وہ بھی یہی ہے کہ جو کچھ اس کی محنت کا معاوضہ سرمایہ دار دیتا ہے اسے اگر وہ قبول نہ کرے تو فاقہ کرے اور فاقہ کیا ہے۔ سرمایہ دار ہی کی بخشش سے منہ موڑ کر اسے دو وقت کی روٹی بھی میسر آنی مشکل ہے۔ پھر یہ لعنت کیا کم ہے جو آج سرمایہ داری نظام کی بدولت دنیا پر مسلط ہے کہ ایک طرف لاکھوں کروڑوں انسان حاجتمند موجود ہیں، اور دوسری طرف زمین کی پیداوار اور کارخانوں کی مصنوعات کے انبار لگے ہوئے ہیں مگر وہ دے نہیں جا سکتے، حتیٰ کہ لاکھوں من گیہوں سمندر میں پھینکا جاتا ہے اور بھوکے انسانوں کے پیٹ تک نہیں پہنچتا۔ اس کا سبب یہی ہے کہ حاجتمند انسانوں تک معاشی سلسلے پہنچانے کا کوئی انتظام نہیں ہے، اُن کے اندر قوت خریداری پیدا کر دی جائے، اور وہ اپنی حسب حاجت اشیاء خریدنے کے قابل ہو جائیں تو صنعت، تجارت اور زراعت غرض ہر شعبہ میں زندگی پیدا ہو جائے۔ اسلام زکوٰۃ اور بیت المال کے ذریعہ سے ان ساری خرابیوں کا استیصال کرتا ہے۔ بیت المال ہر وقت آپ کی پشت پر ایک مددگار کی حیثیت سے موجود ہے۔ آپ کو کل کی فکر کی ضرورت نہیں جب آپ حاجتمند ہوں بیت المال جائیے اور اپنا حق لے آئیے۔ بنک و بنکاری اور انشورنس پالیسی کی کیا ضرورت؟ آپ اپنے بال بچوں کو چھوڑ کر بلا فکر تمام دنیا سے رخصت ہو سکتے ہیں، آپ کے پیچھے جماعت کا خزانہ ان کا کفیل ہے۔ بیماری، بڑھاپے، آفات ارضی و سماوی ہر صورت حال میں بیت المال دوامی مددگار ہے جس کی طرف آپ رجوع کر سکتے ہیں۔ سرمایہ دار آپ کو مجبور نہیں کر سکتا کہ آپ اسی کی شرائط پر کام کرنا قبول کریں۔ بیت المال کی موجودگی میں آپ کے بھوکے اور برہنہ رہنے کا کوئی خطرہ نہیں۔ پھر یہ بیت المال سوسائٹی کے تمام ان لوگوں کو اشیاء ضرورت خریدنے کے قابل بنا دیتا ہے جو دولت پیدا کرنے کے بالکل نا قابل ہوں یا کم پیدا کرتے ہوں، اس طرح مال کی پیداوار اور اس کی کھپت کا توازن ہمیشہ قائم رہتا ہے اور اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ آپ اپنے دیوالیہ کو دنیا بھر کے سر چپکنے کے لئے دوڑتے پھریں اور آخرکار دوسرے ممالک تک پہنچنے کی حاجت پیش آوے۔

زکوٰۃ کے علاوہ دوسری تدبیر جو ایک شخص کی جمع شدہ دولت کو پھیلانے کے لئے اسلام نے اختیار کی ہے وہ قانون وراثت ہے۔ اسلام کے سوا دوسرے

قرآنی تمدن کا رجحان اس طرف ہے کہ جو دولت ایک شخص نے زندگی بھر سمیٹی ہے وہ اس کے مرنے کے بعد بھی سمٹی رہے۔ مگر اسلام اس کے برعکس یہ طریقہ اختیار کرتا ہے کہ جس دولت کو ایک شخص سمیٹ سمیٹ کر جمع کرتا رہا ہے، اس کے مرتے ہی وہ پھیلا دی جائے۔ اسلامی قانون میں بیٹے، بیٹیاں، باپ، ماں، بیوی، بھائی، بہن سب ایک شخص کے وارث ہیں اور ایک ضابطہ کے مطابق سب پر میراث تقسیم ہونی ضروری ہے۔ قریبی رشتہ دار موجود نہ ہوں تو دور کے رشتہ دار تلاش کئے جائیں گے اور ان میں یہ دولت پھیلائی جائے گی۔ کوئی رشتہ دار سرے سے موجود ہی نہ ہو، تب بھی آدمی کو متبنی بنانے کا حق نہیں ہے۔ اس صورت میں اس کی وارث پوری جماعت ہے۔ اس کی سمیٹی ہوئی تمام دولت بیت المال میں داخل کر دی جائے گی۔ اسطرح خواہ کوئی شخص کروڑوں اور اربوں کی دولت جمع کرے، اس کے مرنے کے بعد دو تین پشتوں کے اندر وہ سب کی سب چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر پھیل جائے گی۔ اور دولت کا ——— [illegible] پھیلاؤ میں تبدیل ہو کر رہے گا۔

یہ نظام معیشت جس کا نہایت مختصر سا نقشہ میں نے پیش کیا ہے اس پر غور کیجئے کیا یہ شخصی ملکیت کے ان تمام نقصانات کو دور نہیں کر دیتا جو شیطان کی غلط تعلیم کے سبب سے رونما ہوتے ہیں؟ پھر آخر اس کی کیا حاجت ہے کہ ہم اشتراکی نظریہ یا فاشزم اور نیشنل سوشلزم کے نظریات کو اختیار کر کے معاشی انتظام کے وہ مصنوعی طریقے اختیار کریں جو ایک خرابی کو دور نہیں کرتے بلکہ اس کی جگہ دوسری خرابی پیدا کر دیتے ہیں؟ یہاں میں نے اسلام کے پورے نظام معاشی کو بیان نہیں کیا ہے۔ زمین کے انتظام اور کاروباری ذرائع .... کے تصفیہ اور صنعت و حرفت کے لئے سرمایہ کی فراہمی کی جو صورتیں اسلام کے اصول پر اختیار کی جاسکتی ہیں اور جن کے لئے قانون اسلام میں پوری گنجائش رکھی گئی ہے، انہیں اس مختصر مقالہ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ نیز اسلام نے جس طرح درآمد و برآمد کے محصولات اور اندرون ملک میں اموال تجارت کی نقل و حرکت پر چنگی کی پابندیوں کو اٹھا دیا، اور ضرورت کے آزاد مبادلہ کا راستہ کھولا ہے اس کا ذکر بھی میں نہیں کرسکا ہوں۔ ان سب سے بڑھ کر مجھے یہ بیان کرنے کا موقع بھی نہیں ملا ہے کہ ملکی انتظام اور سول سروس اور فوج کے مصارف کو انتہائی ممکن حد تک گھٹا کر اور عدالت سے اسٹامپ ڈیوٹی قطعی طور پر ہٹا کر اسلام نے سوسائٹی پر سے کس قدر عظیم الشان معاشی بوجھ کو ہلکا کیا ہے، اور ٹیکسوں کو انتظام کی حد سے بڑھتے ہوئے مصارف میں کھپا دینے کے بجائے پبلک کی آسائش اور بہتری پر صرف ہونے کے جو مواقع پیدا کئے ہیں ان کی بدولت اسلام کا معاشی نظام انسان کے لئے کتنی بڑی رحمت بن جاتا ہے۔ اگر تعصب چھوڑ دیا جائے اور آباء و اجداد سے جو جاہلانہ تنگ نظری وراثت میں ملی ہے یا غیر اسلامی نظامات کے دنیا پر غالب آجانے سے جو مرعوبیت دماغوں پر چھا گئی ہے اسے دور کرکے آزادانہ تحقیق کی نگاہ سے اس نظام کا مطالعہ کیا جائے، تو میں توقع کرتا ہوں کہ ایک معقول منصف مزاج آدمی بھی ایسا نہ ملے گا جو انسان کی معاشی فلاح کے لئے اس نظام کو سب سے زیادہ مفید، صحیح، فطری اور معقول تسلیم نہ کرے۔

لیکن اگر کسی شخص کے ذہن میں یہ غلط فہمی ہو کہ اسلام کے پورے اعتقادی، اخلاقی، تمدنی مجموعہ میں سے صرف اس کے معاشی نظام کو لے کر کامیابی کے ساتھ چلایا جاسکتا ہے تو میں عرض کروں گا کہ براہ کرم وہ اس غلط فہمی کو دل سے نکال دیں۔ اس معاشی نظام کا گہرا ربط اسلام کے سیاسی، عدالتی، قانونی، تمدنی و معاشرتی نظام کے ساتھ ہے۔ پھر ان سب چیزوں کی بنیاد اسلام کے نظام اخلاق پر قائم ہے اور وہ نظام اخلاق بھی اپنے آپ پر قائم نہیں ہے بلکہ اس کے قیام کا پورا انحصار اس پر ہے کہ آپ ایک عالم الغیب قادر مطلق خدا پر ایمان لائیں اور اپنے آپ کو اس کے سامنے جوابدہ سمجھیں، موت کے بعد آخرت کی زندگی کو مانیں اور آخرت میں عدالت الٰہی کے سامنے اپنے پورے کارنامہ حیات کے جانچے جانے اور اس جانچ کے مطابق جزاء و سزا پانے کا یقین رکھیں۔ اور تسلیم کریں کہ خدا کی طرف سے محمد الرسول اللہ نے جو ضابطہ اخلاق و قانون آپ تک پہنچایا ہے جس کا ایک جزو یہ معاشی نظام بھی ہے وہ بے کم و کاست خدا ہی کی تعلیم پر مبنی ہے۔ اگر اس عقیدے اور اس نظام اخلاق اور اس پورے ضابطہ حیات کو آپ جوں کا توں نہ لیں گے تو نرا اسلامی نظام معاشی ایک دن بھی ایسی صحیح اسپرٹ کے ساتھ نہ چل سکے گا اور نہ اس سے آپ کوئی معتدبہ فائدہ اٹھا سکیں گے۔

اجناس خوردنی کی صورت حال

بقیہ سلسلہ صفحہ (۳)

چند تعلقات کے سوائے اس سال چاول گیہوں اور دیگر دالی اجناس کی پیداوار اچھی رہی ہے اور اسی لئے برآمد کی مقدار پر غیر ضروری قیود عائد کرنے کے لئے اب پہلے کے بہ نسبت بھی کم ضرورت ہے۔ مگر تاہم ایسی تمام برآمد پر نگرانی کی ضرورت ہے تاکہ ہندوستان کے غذائے عامہ کے اوس حصہ کی تقسیم جو حیدرآباد کی برآمد شدنی فاضل پیداوار کی شکل میں دیا جاتا ہے حیدرآباد سے باہر مناسب اور متوازن طریقہ پر ہو سکے۔

جس حد تک کہ غذا کی فراہمی کا تعلق ہے "حیدرآباد کمرشیل کارپوریشن لمیٹیڈ" کا اصل فریضہ یہ ہے کہ مرکزی حکومت اور صوبہ جات اور دیگر ریاستوں کے لئے ایسی اجناس خوردنی خریدے جن کی برآمد کی اجازت حکومت سرکار عالی کی رائے میں بخوبی دی جاسکتی ہے اور حکومت حیدرآباد کے لئے ایسی دیگر اجناس خوردنی خریدے جن کی درآمد حیدرآباد کی ضروریات کی تکمیل کے لئے ضروری ہے۔ اس کارپوریشن کا ایک لازمی فریضہ یہ ہوگا کہ بلدہ حیدرآباد اور ممالک محروسہ کے دیگر مراکز میں دوکانات ارزان فروش کے لئے بالخصوص شمول ان رقبہ جات کے جہاں قحط کا اعلان کیا گیا ہو حکومت کے لئے رسد مہیا کرے۔

یہ خیال کہ کارپوریشن کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ تجارتی مفادات کو ان کے جائز پیشہ سے محروم کیا جائے یا یہ کہ ممالک محروسہ کی تجارت کا ٹھیکہ لے لیا جائے اس کے متعلق ایک حالیہ صحافتی کانفرنس میں کارپوریشن نے کافی طور پر اپنے موقف کی توضیح کر دی ہے جس کی تشہیر مقامی اخبارات میں ہو چکی ہے۔ کارپوریشن کا ارادہ ہے کہ درآمد شدہ اجناس کی تقسیم اور مقامی رسد کی خرید میں تمام تاجران غلہ کی خدمات سے تا بحد امکان زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائے۔ حکومت یہ بھی واضح کر دینا چاہتی ہے کہ کارپوریشن کا یہ ارادہ نہیں ہے کہ کسی منافع کا اعلان کرے اور اپنے کاروبار سے فائدہ اٹھائے۔

آخر میں حکومت سرکار عالی مکرر اس امر پر زور دینا چاہتی ہے کہ خریف اور ربیع کی پیداوار اچھی ہونے کی وجہ سے ممالک محروسہ میں جوار کی قلت نہیں ہے۔ گیہوں کی حد تک حکومت کو کوئی تشویش نہیں ہے کیونکہ مقامی پیداوار گندم متوسط رہتی ہے۔ اور مرکزی حکومت کے توسط سے شمالی ہندوستان سے کافی مقدار میں گیہوں کی درآمد کا انتظام کیا گیا ہے۔ چاول کی اصل بھی اس سال بہ مقابلہ سال گذشتہ بہتر ہے اور جوار اور دالوں کی برآمد کے معاوضہ میں صوبہ مدراس سے چاول کی درآمد کا سلسلہ جاری کیا ہے۔ لہذا ضروری اجناس خوردنی کی حد تک ممالک محروسہ سرکار عالی میں فی الوقت یا ختم سال رواں تک کسی مقامی قلت کا اندیشہ کرنے کے لئے کوئی معقول وجوہ نہیں ہو سکتے۔

آصفجاہی درباروں کے آداب و رسوم

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۱۷)

بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ اس کے بعد حضرت مغفرت مکان برآمد ہوئے۔ کرنل ڈیوڈسن صاحب نے آداب شاہی کے مطابق اپنی ٹوپی اتاری۔ اسکے جواب میں سرکار نے ہاتھ اٹھایا اور مسند پر تشریف فرما ہوئے۔ اور رزیڈنٹ صاحب کو بیٹھنے کا حکم دیا۔ یہ مسند کے سامنے بیٹھے تھے۔ ان سے قریب نواب مختار الملک مدارالمہام اور نریندر بہادر پیشکار تھے۔ گاؤ تکیے کے پیچھے نواب امیر کبیر شمس الامراء بہادر تھے جن کے ہاتھ میں مورچھل تھا۔ سرکار انگریزی کی طرف سے کشتیاں آئیں۔ نواب مختار الملک بہادر نے منشی کے ہاتھ سے یہ کشتیاں فرش پر رکھیں۔ جن میں سرکار کے لئے جواہر مرصع دستبند بجوشن ہار۔ سرپیچ جیغہ کلغی۔ دو تلواریں ایک پیش قبض اور ایک پر جواہر نگار۔ دو شال کمخواب وغیرہ تھے۔ نواب مختار الملک نے تلوار اپنے ہاتھوں سے کر حضور کے سامنے پیش کیں جس کو حضور نے ہاتھ لگا کر واپس کر دیں۔ اس کے بعد دوسری اشیاء ملاحظہ میں گذریں۔ جب یہ ختم ہوا تو خود دربار حیدرآباد کی طرف سے کشتیاں آئیں۔ جن میں سرپیچ اور پٹکے تھے۔ نواب مختار الملک بہادر نے ان کشتیوں میں سے ایک ایک سرپیچ اور چند ہار انگریز عہدہ دار کو دیا جس کو انھوں نے اٹھ کر تسلیم سے لیا۔ ایک خاص کشتی رزیڈنٹ صاحب کے لئے آئی جس میں سرپیچ جواہر دستبند بجوشن وغیرہ تھے۔ سرکار نے اپنے ہاتھ سے رزیڈنٹ کو دیا جس کو انھوں نے کھڑے ہو کر لیا اور اس کے بعد پان وغیرہ تقسیم ہوئے اور دربار برخواست ہوا۔

بجائے فرش کے کرسیاں

جب حضرت مغفرت مکان افضل الدولہ بہادر کا انتقال ہوا تو دربار کی طرز میں کس قدر فرق محسوس ہونے لگا۔ یعنی انگریزی اثر سے دربار میں بجائے فرش کے میز و کرسیاں بچھنے لگیں۔ چنانچہ ۱۸۶۹ء میں مغفرت مکان کے انتقال کے بعد حضرت غفران مکان مسند نشینی عمل میں آئی تو اس دربار میں کرسیاں تھیں اور مسند تخت پر بچھائی گئی تھی۔ دربار حسب دستور جہلی بیگم کی حویلی میں ہوا تھا۔ کمسن بادشاہ کو تخت پر بٹھایا گیا اور سب کرسیوں پر بیٹھے۔ حضرت غفران مکان بہت کمسن تھے انا کے گود میں باہر تشریف لائے اور سب حاضرین دربار نے آداب بجالایا۔ رزیڈنٹ سانڈرس صاحب نے مبارکبادی اور نذر گذرانی۔ حاضرین دربار میں نواب مختار الملک سالارجنگ بہادر عمدۃ الملک شمس الامراء امیر کبیر بہادر تھے۔ سب کی طرف سے اس کمسن بادشاہ کی خدمت میں نذریں پیش ہوئیں۔ رزیڈنٹ صاحب کے ہمراہ اور بھی سربرآوردہ انگریز عہدہ دار بھی حاضر دربار تھے۔ اس کے بعد وقتاً فوقتاً دربار ہوتے رہے۔ جن درباروں میں انگریز رزیڈنٹ صاحب اور دیگر حکام انگریزی شریک ہوتے تھے اس کو انگریزی دربار کہتے تھے اور جس میں صرف سلطنت کے عہدہ دار شریک ہوتے تھے اس کو خلوتی دربار کہتے تھے لیکن ایسے درباروں میں بجائے فرش کے کرسیاں بچھائی جاتی تھیں اور جب حیدرآباد میں وائسرائے آنے لگے تو ان کے لئے اعلیٰحضرت کے برابر ایک اور کرسی رکھی جاتی تھی۔ یہ کرسیاں زری کی ہوتی تھیں۔ ایک پر اعلیٰحضرت اور دوسری کرسی پر وائسرائے بہادر بیٹھتے تھے۔ چنانچہ ۱۸۸۴ء میں اس قسم کا سب سے پہلا دربار ہوا جس میں ہندوستان کے وائسرائے لارڈ رپن بہادر تشریف لائے۔

غذائی صورت حال

صدر اعظم بہادر سے وفد کی ملاقات

حیدرآباد ۲۰ امرداد۔ مسٹر میر اکبر علی خان، ڈاکٹر لطیف سعید، سیٹھ پریم جی، مسٹر یامین زبیری، مسٹر راما چاری، مسٹر موسوی، مسٹر مرزا مسعود احمد، سیٹھ پنا لال لاہوٹی، مسٹر بی شیام سندر، مسٹر ابوالحسن سید علی اور مسٹر نرسنگ راؤ پر مشتمل ایک وفد نے جس کو بروز چہارشنبہ مختلف مکاتب خیال کے ایک نمایندہ جلسہ میں ملک محروسہ سرکار عالی کی غذائی صورت حال کے متعلق حکومت کے روبرو عوام کا نقطہ نظر پیش کرنے کے لئے منتخب کیا گیا تھا کل شام کے (۵) بجے ہز اکسلنسی نواب صاحب چھتاری صدر اعظم بہادر باب حکومت سرکار عالی سے ملاقات کی۔ اس موقع پر آنریبل مسٹر گریگسن صدر المہام مال اور نواب علی یاور جنگ بہادر ہز اکسلنسی صدر اعظم بہادر کے پرائیوٹ سکریٹری بھی دوران مباحثہ میں موجود تھے۔

ہز اکسلنسی صدر اعظم بہادر نے وفد کا پرخلوص خیر مقدم فرمایا۔ اور ذیلی کمیٹی (جو گزشتہ چہارشنبہ کو پبلک کانفرنس کے جلسہ میں مقرر کی گئی تھی) کی پیش کردہ سفارشات کو گہری توجہ و دلچسپی سے سنتے ہوئے ان کی روشنی میں غذائی صورت حال کے مختلف پہلوؤں پر تبادلہ خیال فرمایا۔

س بدمعاملہ نمایندے وفد کی قیادت کی۔ معلوم ہوا ہے کہ وفد نے ذیلی کمیٹی کی رپورٹ حکومت کے غور و خوض کے لئے ہز اکسلنسی صدر اعظم بہادر کی خدمت میں پیش کی ہز اکسلنسی اور آنریبل صدر المہام بہادر مال نے ذیلی کمیٹی کی سفارشات پر غور و فکر کرنے کا وعدہ فرمایا۔

سفارشات

ذیلی کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں حسب ذیل سفارشات پیش کی ہیں۔

(۱) ہمیں معلوم ہے کہ سنہ ۱۳۵۵ف کی بارش اور دیگر وجوہات کی بناء پر زرعی پیداوار کے لئے ناسازگار حالات ہوگئے مگر درآمد و برآمد پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا۔

قیمتیں خطرناک سطح پر پہنچ گئیں

(۲) قیمتیں بہت بڑھ گئی ہیں اور تمام اجناس کی قیمتوں میں اضافہ کا تناسب یکساں نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ اجناس خوردنی کی قیمتیں خطرناک سطح پر پہنچ گئی ہیں اور ابتدائی اشیائے پیداوار کی اوسط سے تجاوز کر گئی ہیں۔ چونکہ اس مسئلہ میں کئی عناصر شامل ہیں اس لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ کس وقت میں کس جنس کی قیمت کیا ہونی چاہئے۔

برآمد پر نگرانی

(۳) ہم اس امر کی سفارش کرتے ہیں کہ اجناس خوردنی کی برآمد پر اس طرح نگرانی قائم کرنی چاہئے کہ درآمد کی اجازت تجارت کے عام حالات کے تحت نہیں بلکہ صرف ایسی صورت میں دینی چاہئے کہ درآمد کے تبادلہ میں پوری اشیائے احتیاج حاصل ہوں۔ اس تبادلہ کے تقابل میں دالوں، باجرا، مونگ پھلی اور ارنڈی کی بڑی درآمدوں کا لحاظ رکھنا چاہئے۔

راشننگ کی ترویج اور ذخائر کی برآمدگی

(۴) قیمتوں کو باقاعدہ بنانے اور اجناس خوردنی اور دیگر اشیائے احتیاج کی منصفانہ تقسیم کے لئے جو واحد طریقہ کار اختیار کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ بڑے تعلقات میں راتب بندی و راشننگ کا طریقہ جاری کیا جائے۔

ان کی امداد شہروں سے ہونی چاہئے۔ اگر ذخیرہ جمع کرنے اور نفع اندوزی کی جیسی برائیاں جڑ پکڑنے لگیں تو اس قسم میں ذخائر برآمد کر کے صرف صرف کرتا اور ان کو ضرورت کے وقت طلب کرنا ضروری ہو جائے گا۔ نیز برآمد درآمد کو باقاعدہ بنانا ہوگا۔ غرباء کی امداد کے لئے صورت حال کا مقابلہ اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ جب کبھی ممکن ہو کم آمدنی والے طبقات کے گرانی الاؤنس میں اضافہ کیا جائے۔ راشن بندی کے لئے صرف چند اشیاء کا انتخاب کرنا چاہئے اور ان میں خاص اشیائے ضروریات مثلاً جوار، چاول، گیہوں، مٹی کا تیل، شکر، دالیں، املی، مرچیں اور دیا سلائی شامل ہونی چاہئیں۔ راشن بندی ہر گھر کے اشخاص کی تعداد پر قائم کرنی چاہئے۔ بعض کا خیال ہے ان اشخاص کی آمدنی سے متعین ہونا چاہئے۔ ہم غرباء کے لئے مخصوص ارزاں فروختی کی دکانیں قائم کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ بشرطیکہ راشن بندی کا طریقہ جاری کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے ارزاں فروختی کی دکانوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے اور انہیں زیادہ سے زیادہ ذخائر فراہم کئے جائیں۔

ہم حکومت کو رائے دیتے ہیں کہ وہ شہروں اور دیہی حلقوں میں غذائی مشاورتی مجالس تشکیل دے کہ ان کی وساطت سے عوام کا تعاون عمل حاصل کرے۔

تجارت کی نگرانی

(۵) ہمیں اس امر سے اتفاق ہے کہ اگر تجارت کے معمولی ذرائع سے صورت حال کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ آج کل ہے تو حکومت کو تجارت کی نگرانی کرنی چاہئے۔ چنانچہ حکومت نے حیدرآباد کمرشیل کارپوریشن کے قیام سے اس طرح کوشش کی ہے۔ حکومت تاجروں کو لائسنس (اجازت ناموں) کے ذریعہ یا بہ ذریعہ یا تجارت کے موجودہ ذرائع کو استعمال کرکے جہاں کہیں ممکن ہو خود خرید و فروخت انجام دے یا راست کارپوریشن کاشتکاروں اور صارفین کے درمیان خرید و فروخت ہونے کا انتظام کرے۔ کارپوریشن کو ایک ملک ٹرسٹ کی حیثیت سے کام کرنا چاہئے نہ کہ جب منفعت کے لئے۔

کارپوریشن کو اس وقت تک عوام کا تعاون عمل حاصل نہ ہوسکے گا جب تک کہ اس کی مجلس نظماء میں عوام اور بالخصوص صارفین کی زیادہ سے زیادہ نمائندے شریک نہ ہوں۔ (ا۔پ)

انجمن طیلسانین کی معاشی کمیٹی

حیدرآباد ۔ یکم اردیبہشت۔ انجمن طیلسانین حیدرآباد کی معاشی کمیٹی نے زراعت اور دیہی ترقی کے مختلف مسائل پر سلسلہ تقاریر کا جو وسیع پروگرام مرتب کیا ہے اس کو روبہ کار لانے کے لئے پہلی تقریر خواجہ حبیب حسن چیف کیمسٹ ڈائرکٹر محکمہ سررشتہ حرفت کی "ممالک محروسہ کے صنعتی امکانات پر ہوگی"۔ معلوم ہوا ہے کہ انجمن نے سربرآوردہ ماہرین صنعت و تجارت اور سرمایہ داروں کو اس تقریب میں شرکت کی دعوت دی ہے۔ تقریر کی تاریخ کا عنقریب اعلان کیا جائے گا۔

مزید معلوم ہوا ہے کہ معاشی کمیٹی نے دیہات سدھار اور ممالک محروسہ کی اقتصادی پیمائش کے لئے ایک تجویز حکومت کے روبرو پیش کی ہے۔

سررشتہ تعلیمات کی سرگرمیاں

سنہ ۱۳۵۰ف میں (۱۶۰) نئے مدارس کھولے گئے اور تقریباً (۱۰۰۰۰) طلبہ کا اضافہ ہوا۔ ختم سال پر جملہ مدارس کی تعداد ساڑھے ... ہزار اور زیر تعلیم طلبہ تقریباً پانچ لاکھ تھی۔ کلیاتی تعلیم کو چھوڑ کر اخراجات تعلیم ستانوے لاکھ روپیہ ہے۔ ابتدائی مدارس کی تعداد پانچ ہزار سے زائد تھی۔

گذشتہ سال فوقانی مدارس میں دستکاری کی تعلیم کا انتظام ہوچکا ہے۔ اور معلمین دستکاری کی فنی تربیت کا انتظام بھی سٹی میں آغاز ہوچکا ہے۔

لڑکیوں کے مدارس کی تعداد آٹھ سو اور زیر تعلیم طالبات کی تعداد اسی ہزار سے زائد ہوگئی ہے۔ معلمات کی تعداد بارہ سو سے زائد رہی۔ سال زیر تبصرہ کے دوران میں لڑکیوں کے لئے اکیس نئے مدارس کھولے گئے اور جو بیس قدیم مدارس کی تنظیم جدید عمل میں لائی گئی۔ لڑکیوں کی تعلیم پر بارہ لاکھ پچیس ہزار روپیہ صرف ہوئے۔ اس رقم میں اخراجات تعمیر و خریدی فرنیچر و آلات شامل نہیں ہیں۔

سنہ ۱۳۵۰ف کے ختم پر مدارس پسماندہ اقوام کی تعداد نو سو تھی جن میں دو ہزار سات سو طلبہ زیر تعلیم تھے۔ ان مدارس کے منجملہ پانچ مدارس خاص اناث کے لئے تھے۔ پست اقوام کے خصوصی مدارس کی تعداد بہتر اور ان کے اخراجات پچیس ہزار روپیہ ہے۔ زیر تعلیم طلباء پست اقوام کی تعداد گیارہ ہزار سے زائد تھی۔

ممالک محروسہ میں دو سو چھتیس اسکوٹ ٹروپس اور چھ ہزار دو سو اٹھاون اسکوٹس تھے۔ گرل گائیڈ کی ٹولیاں ایک سو ستر اور گائیڈز کی تعداد تین ہزار چھ سو چھیاسٹھ تھی۔ تین سو تیس مدارس المعلمین میں زیر تعلیم تھے۔

دو ہزار دو سو خانگی مدارس کو سال زیر تبصرہ میں چھ لاکھ آٹھ ہزار سے زائد امداد دی گئی تھی۔

مدارس سے ملحق چھتیس کتب خانے سررشتہ تعلیمات کے زیر نگرانی ہیں۔ وظائف علمی اور قرضہ جات تعلیمی پر دو لاکھ چھتیس ہزار کی رقم صرف ہوئی۔

اعظم پریس چارمینار میں طبع ہو کر باہتمام سید حسن (افتخار) ادارہ مملکت سے شائع ہوا ۔